بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

مصلح موعود نمبرؓ

شمارہ
06-07
شرح چندہ
سالانہ 500 روپے
بیرونی ممالک
بذریعہ ہوائی ڈاک
45 پاؤنڈ یا 70 ڈالر امریکن
70 کینیڈین ڈالر یا 50 یورو

جلد
62
ایڈیٹر
منیر احمد خادم
نائبین
قریشی محمد فضل اللہ
تنویر احمد ناصر ایم اے

23-16 ربیع الاوّل 1434 ہجری 14-7 تبلیغ 1392 ہش 14-7 فروری 2013

Postal Reg. No. L/P/GDP-1, DEC 2015

مسجد نور قادیان

یہ وہ مسجد ہے جہاں الٰہی تقدیر کے مطابق 14 مارچ 1914ء میں
حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب المصلح الموعودؓ کا بطور خلیفۃ المسیح الثانی انتخاب عمل میں آیا۔

بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اُس مہ سے اندھیرا دکھاؤں گا کہ اِک عالم کو پھیرا

منظوم کلام حضرت مسیح موعودؑ

شبیہ مبارک حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (1889ء-1965ء)

اداریہ

پیشگوئی مصلح موعود۔ عظیم الشان آسمانی نشان

الحمد للہ ایک بار پھر ہماری زندگی میں ۲۰ فروری کا مبارک دن آرہا ہے۔ یہ دن جماعت احمدیہ میں پیشگوئی مصلح موعود کے ظہور کے دن کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کے زندہ ہونے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے نشان کے ظاہر ہونے اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی دُعاؤں کی قبولیت کے اظہار کا دن ہے۔

مصلح موعود کی پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیت دُعا کا ایک عظیم الشان آسمانی نشان ہے۔ حضور کے اور بھی کئی نشان ہیں جو آپ کی دُعاؤں کے ذریعہ پورے ہوئے۔ مثلاً پنڈت لیکھرام کی ہلاکت کا نشان، بے شک یہ نشان بھی اپنی جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہے لیکن نشان ظہور مصلح موعود اور حضرت مسیح موعودؑ کی قبولیت دعا کے نشانوں میں بہت بھاری فرق ہے۔

اس نشان کے متعلق حضور علیہ السلام نے خاص اہتمام کیا۔ ۱۸۸۶ء میں دنیا کے مخصوص سے دور چالیس دن تک اپنے شہر کے باہر ایک ویران مقام ہوشیار پور میں تنہائی میں تمام دنیا سے منقطع ہوکر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری سے دعاؤں اور ذکر الٰہی میں مصروف رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو رحمت کا نشان عطا فرمایا۔ قبولیت دعا کے نتیجہ میں جو دیگر نشانات ظاہر ہوئے بیشک وہ بھی شاندار نشان تھے لیکن یہ نشان ظہور مصلح موعود کے نتائج ایسے وسیع ہیں کہ ان کا اندازہ لگانا بھی ناممکن ہے۔

اس قسم کے نتائج دنیا میں دعا کی قبولیت کے نتیجہ میں تین مرتبہ ظاہر ہوئے (ا) پہلا نشان سیدنا مولانا خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا نشان تھا۔ یہ نشان اس ذیل کے نشانوں میں اول نمبر پر ہے۔ قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں آنے والے عظیم روحانی فرزند کی بعثت کے لئے کی گئی دعاؤں کو ان الفاظ میں محفوظ فرمایا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (البقرہ آیت ۱۳۰۔۱۳۱)

ترجمہ: اور اے ہمارے رب ہمیں اپنے دو فرمانبردار بندے بنا دے اور ہماری ذریت میں سے بھی اپنی ایک فرمانبردار امت (پیدا کردے)۔ اور ہمیں اپنی عبادتوں اور قربانیوں کے طریق سکھا اور ہم پر توبہ قبول کرتے ہوئے جھک جا۔ یقیناً تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اور اے ہمارے رب! تو ان میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کر جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب کی تعلیم دے اور اس کی حکمت بھی سکھائے اور ان کا تزکیہ کر دے۔ یقیناً تُو ہی کامل غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

دوسرا نشان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور ہے جو ان دعاؤں اور پیشگوئیوں کے نتیجہ میں ظاہر ہوا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لئے کیں تھیں۔ یہ نشان اس قسم کے نشانوں میں سے اپنی شان کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے۔

تیسرا عظیم الشان نشان جو قبولیت دعا کے نتیجہ میں ظاہر ہوا۔ وہ مصلح موعودؓ کے ظہور کا نشان ہے۔ یہ نشان اپنی عظمت کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر ہے۔

وہ کیسا عظیم الشان انسان تھا جو اس تیسری دعا کی قبولیت کے طور پر پیدا ہوا۔ اس کا اندازہ اس کلام الٰہی سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے جو چہل روز کی دعا کے بعد سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر ہوشیار پور میں نازل ہوا۔ جو 20 فروری کے اشتہار میں شائع ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں مبالغہ نہیں ہوسکتا پس اگر ہم مصلح موعود کے نشان کا صحیح اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس پیشگوئی کے الفاظ کو غور و تدبر سے پڑھنا چاہیے۔ الہام الٰہی کے الفاظ ہیں:

''ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمیں کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی''۔ (اشتہار 20 فروری 1886ء)

آج ایک صدی سے زائد کا عرصہ پیشگوئی مصلح موعود کے ظہور پر ہو چکا ہے پیشگوئی کے مندرج امور روز روشن کی طرح اپنی صداقت کی عملی تصویر پیش کر رہے ہیں۔ اور بآواز بلند گواہی دے رہے ہیں کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق حقیقی ہیں۔ الہام الٰہی کے الفاظ ''خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا'' ہر دن نئی تجلیات کے ساتھ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زندگی میں ہمیں نظر آتا ہے۔ منکرین خلافت کا معاملہ ہو، یا فتنہ مستریں، شدھی کی تحریک ہو یا فتنہ احرار ہر معاملہ میں اور مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فعلی اور عملی گواہی اس بات پر دی کہ خدا کا سایہ اس کے سر پر ہے۔

پیشگوئی مصلح موعود کی سچائی کے بے شمار پہلوؤں میں سے ایک پہلو ''خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا'' کا ظہور ہے۔ اور آج بھی خدا تعالیٰ کی تائیدی شہادت اس بات کی گواہی دے رہی ہے۔ فتنہ خلافت کے وقت جماعت کے سرکردہ احباب نے اس بات پر زور دیا کہ صدر انجمن احمدیہ خلیفہ وقت سے بالا ہوگی اور خلیفہ کا کام صرف نماز پڑھانا اور بیعت لینا ہے۔ ان احباب میں مولوی محمد علی صاحب، اور دیگر کئی شخصیتیں پیش پیش تھیں۔ اس بات پر جماعت کا یہ گروہ قادیان اسے الگ ہوکر

(باقی صفحہ 28 پر ملاحظہ فرمائیں)

فہرست مضامین

ہفت روزہ بدر ''مصلح موعودؓ نمبر''

قارئین بدر کو
یوم مصلح موعودؓ کی
مبارک صد مبارک
(ادارہ)

پیشگوئی مصلح موعود

اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے تعلق رکھنے والی ایک عظیم الشان پیشگوئی

امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 18 فروری 2011ء کو خطبۂ جمعہ میں پیشگوئی مصلح موعود کے حوالہ سے تفصیل سے روشنی ڈالی اور اس کے مختلف پہلوؤں کا ذکر فرماتے ہوئے احباب جماعت کو اُن کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ 20 فروری کا دن جماعت احمدیہ عالمگیر میں یوم مصلح موعودؓ کے حوالہ سے منایا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے ہم ذیل میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ خطبہ جمعہ کے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ اس خطبہ کا مکمل متن ہفت روزہ بدر کے 5 رمئی 2011ء شمارہ نمبر 18 میں شائع شدہ ہے۔ (مدیر)

حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا:

۞ ’’یہ ایک عظیم پیشگوئی ہے جو کسی شخص کی ذات سے وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ پیشگوئی اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس پیشگوئی کی اصل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے‘‘۔

....

۞ ’’گو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک بیٹا عطا فرمائے گا جو مصلح موعود ہوگا اور اس کی تفصیل میں آپ نے اس کی بہت ساری خصوصیات بیان فرمائی تھیں۔ لیکن یہ پیشگوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ بیان فرما کر چودہ سو سال پہلے بیان فرما دی تھی کہ یَنۡزِلُ عِیۡسٰی ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَی الۡاَرۡضِ فَیَتَزَوَّجُ وَیُوۡلَدُ لَہٗ کہ عیسیٰ ابن مریم جب زمین پر نزول فرما ہوں گے تو شادی کریں گے اور اُن کی اولاد ہوگی۔

(مشکاۃ المصابیح کتاب الرقاق باب نزول عیسیٰ الفصل الثالث حدیث نمبر 5508 دار الکتب العلمیۃ ایڈیشن 2003ء)۔(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ لابن جوزی مترجم محمد اشرف سیالوی صفحہ 843 ناشر فرید بک سٹال لاہور)

اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں، عیسیٰ ابن مریم کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری احادیث میں فرمائی ہے کہ وہ کون ہیں؟ بخاری کی حدیث ہے۔ مسلم نے بھی اور حدیثوں کی کتب نے بھی اس کو درج کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کَیۡفَ اَنۡتُمۡ اِذَا نَزَلَ ابۡنُ مَرۡیَمَ فِیۡکُمۡ وَاِمَامُکُمۡ مِنۡکُمۡ، اور فَاَمَّکُمۡ مِنۡکُمۡ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم مبعوث ہوگا جو تمہارا امام اور تم میں سے ہوگا۔ اور پھر یہ بھی روایت میں ہے کہ یہ تم میں سے ہونے کی وجہ سے تمہاری امامت کے فرائض بھی سرانجام دے گا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعۃ... حدیث 392,394)

پھر ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ عیسیٰ ابن مریم کا زمانہ پائے گا اور وہی امام مہدی اور حَکَم و عدل ہوگا جو صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ یہ مسند احمد کی حدیث ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 479 مسند اَبی ھریرۃ حدیث نمبر 9312 عالم الکتب بیروت 1998ء)

پس یہ پیشگوئی جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے تعلق رکھتی ہے گو تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق اور مسیح و مہدی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اب دوبارہ کی لیکن اس کی بنیاد تو آج سے چودہ سو سال بلکہ اس سے بھی زائد عرصہ پہلے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پر ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیاں اور اللہ تعالیٰ کے

آپ پر انعامات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑائی کے لئے نہیں ہیں بلکہ یہ تو آپ کے آقا و مطاع، سید و مولا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بلند کرنے کے لئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا میں گاڑنے کے لئے ہیں۔ یہ تائیدی نشانات جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں اللہ تعالیٰ دکھاتا ہے یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بلند کرنے کے لئے ہیں۔ اسلام کا زندہ خدا اور زندہ رسول ہونے کی دلیل کے طور پر یہ پیشگوئیاں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے کروائی ہیں‘‘۔

....

۞ ’’اسلام کی تمام ادیان پر برتری کا کام تو آپ کرتے چلے گئے۔ اور خاص طور پر عیسائیت کے اُمڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے اس کے آگے ایک بند باندھ دیا۔ اس دوران آپ کے دل میں دعاؤں کی طرف توجہ دینے کے لئے خاص طور پر چلّہ کاٹنے کی تحریک پیدا ہوئی۔ تو اس کے لئے آپ نے قادیان سے باہر جا کر چلّہ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو اسی دوران اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً بتایا کہ آپ کی عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہوگی۔

چنانچہ آپ نے 22 رجنوری 1886ء کو ہوشیار پور کا سفر اختیار کیا اور چلّہ کشی کی جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی اور بہت سی بشارات آپ کو دیں۔ چنانچہ جب چلّہ ختم ہوا تو حضور علیہ السلام نے اپنے قلم سے 20 رفروری 1886ء کو ایک اشتہار ’’رسالہ سراج منیر برنشانہائے ربّ قدیر‘‘ کے نام سے تحریر فرمایا، جو اخبار ریاض ہند امرتسر یکم مارچ 1886ء میں بطورِ ضمیمہ شائع ہوا‘‘۔

....

۞ ’’اس میں ایک بیٹے کی بشارت بھی دی گئی جس کی مختلف خصوصیات ہیں، جس کا تفصیلی جائزہ لیں تو یہ باون خصوصیات بنتی ہیں۔ بلکہ ایک جگہ حضرت مصلح موعودؓ نے اٹھاون بھی بیان فرمائی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسیح آئے گا تو اُس کی اولاد ہوگی...........

اب اولاد تو اکثر لوگوں کی ہوتی ہے۔ اس میں کیا خاص بات ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر پیشگوئی فرمائی تھی تو یقیناً کسی اہم بات کی اور وہ یہی بات تھی کہ اُس کی اولاد ہوگی اور وہ ایسی خصوصیات کی حامل ہوگی جو دین کے پھیلانے کا باعث بنے گی، جو توحید کے پھیلانے کا باعث بنے گی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو دنیا پر ظاہر کرنے کا باعث بنے گی۔

اب اس پیشگوئی کے مطابق جس سال میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی پیدا ہوئے ہیں یعنی 1889ء میں، اسی سال میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیعت بھی لی۔ اُسی سال اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ بیعت بھی لے لو۔ اور یوں اس سال میں باقاعدہ طور پر اُس جماعت کی بنیاد ڈالی گئی جس نے اسلام کی تبلیغ کا کام بھی کرنا تھا، اپنی حالتوں کو بھی سنوارنا تھا اور مسیح و مہدی کی بیعت میں آ کر آنحضرتؐ کی پیشگوئی کو پورا کرنے والا بننا تھا اور آپ کے جماعت قائم کرنے کا یہی مقصد تھا‘‘۔

....

۞ ’’بہرحال یہ پُرشوکت پیشگوئی تھی جس نے حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت کے باون سالہ دور میں ثابت کر دیا کہ کس طرح وہ شخص جلد جلد بڑھا؟ کس طرح اُس نے دنیا میں اسلام کے کام کو تیزی سے پھیلایا؟ مشن قائم کئے، مساجد بنائیں۔ آپ کے وقت میں باوجود اس کے کہ وسائل بہت کم تھے، مالی کشائش جماعت کو نہیں تھی، دنیا کے چونتیس پینتیس ممالک میں جماعت کا قیام ہو چکا تھا۔ کئی زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع ہو چکا تھا، مشن کھولے جا چکے تھے۔ اسی طرح جماعتی نظام کا یہ ڈھانچہ حضرت مصلح موعود رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی بنایا تھا جو آج تک چل رہا ہے اور اس سے بہتر کوئی ڈھانچہ بن ہی نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح ذیلی تنظیمیں ہیں اُس وقت کی بنائی ہوئی ہیں وہ بھی آج تک چل رہی ہیں۔ ہر کام آپ کی ذہانت اور فہم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قرآنِ کریم کی تفسیر ہے اور دوسرے علمی کارنامے ہیں جو آپ کے علومِ ظاہری و باطنی سے پُر ہونے کا ثبوت ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح کردوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی اپنے اس بیٹے کو جس کا نام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد تھا، مصلح موعود ہی سمجھا''۔

....

''حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو اس وقت تک اس پیشگوئی کا مصداق نہیں ٹھہرایا جبتک خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا نہیں دیا۔ یہ ایک لمبی رؤیا ہے جس کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ اس میں کشف اور الہام کا بھی حصہ ہے (جو آپ نے دیکھی تھی) اُس کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ: ''مَیں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق آپ کا وہ موعود بیٹا قرار دیا ہے جس نے زمین کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچانا ہے۔''

(دعویٰ مصلح الموعود کے متعلق پر شوکت اعلان۔ انوار العلوم جلد 17 صفحہ 161 مطبوعہ ربوہ)

اور آپ نے یہ رؤیا دیکھ کے 1944ء میں بیان کیا''۔

....

''آپ کے علمی کارنامے ایسے ہیں جو دنیا کو نیا انداز دینے والے ہیں جس کا دنیا نے اقرار کیا۔......معاشی، اقتصادی، سیاسی، دینی، روحانی سب پہلوؤں پر آپ نے جب بھی قلم اٹھایا ہے یا تقریر کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، یا مشوروں سے امتِ مسلمہ یا دنیا کی رہنمائی فرمائی تو کوئی بھی آپ کے تبحرِ علمی اور فراست اور ذہانت اور روحانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ مصلح موعودؓ تھے، دنیا کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا تھا، جس میں روحانی، اخلاقی اور ہر طرح کی اصلاح شامل تھی۔

جیسا کہ مَیں نے کہا کہ آپ کا باون سالہ دورِ خلافت تھا اور آپ نے خطباتِ جمعہ کے علاوہ بے شمار کتب بھی تحریر فرمائی ہیں۔ تقاریر بھی فرمائیں، جن کو جب تحریر میں لایا گیا یا لایا جا رہا ہے تو ایک عظیم علمی اور روحانی خزانہ بن گیا ہے اور بن رہا ہے۔ فضلِ عمر فاؤنڈیشن جو آپ کی وفات کے بعد قائم کی گئی تھی، خلیفۃ المسیح الثالث نے قائم فرمائی تھی۔ وہ آپ کا سب مواد جو ہے کتب کی صورت میں شائع کر رہی ہے اور آج تک اس پر کام ہو رہا ہے۔ اب تک خطبات کے علاوہ اکیس جلدیں آچکی ہیں جو انوار العلوم کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہ ہر جلد جو ہے کم از کم چھ سو، سات سو صفحات پر مشتمل ہے''۔

....

''آپ کے کام کو دیکھ کر حضرت مصلح موعودؓ کی پیشگوئی کی شوکت اَور روشن تر ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے اور جیسا کہ مَیں نے کہا اصل میں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے جس سے ہمارے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اور دائمی مرتبے کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا تعلق صرف ایک شخص کے پیدا ہونے اور کام کر جانے کے ساتھ نہیں ہے۔ اس پیشگوئی کی حقیقت تو تب روشن تر ہو گی جب ہم میں بھی اُس کام کو آگے بڑھانے والے پیدا ہوں گے جس کام کو لے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے تھے اور جس کی تائید اور نصرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصلح موعود عطا فرمایا تھا جس نے دنیا میں تبلیغِ اسلام اور اصلاح کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں لگا دیں۔

پس آج ہمارا بھی کام ہے کہ اپنے اپنے دائرے میں مصلح بننے کی کوشش کریں۔ اپنے علم سے، اپنے قول سے، اپنے عمل سے اسلام کے خوبصورت پیغام کو ہر طرف پھیلا دیں۔ اصلاحِ نفس کی طرف بھی توجہ دیں۔ اصلاحِ اولاد کی طرف بھی توجہ دیں اور اصلاحِ معاشرہ کی طرف بھی توجہ دیں۔ اور اس اصلاح اور پیغام کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کریں جس کا منبع اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا تھا۔ پس اگر ہم اس سوچ کے ساتھ اپنی زندگیاں گزارنے والے ہوں گے تو یومِ مصلح موعود کا حق ادا کرنے والے ہوں گے، ورنہ تو ہماری صرف کھوکھلی تقریریں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے''۔

❁❁❁

بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا

کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

خدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد ۔۔۔ بشارت تو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ''ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد ۔۔۔ بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد''
خبر مجھ کو یہ تو نے بارہا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

مری اولاد سب تیری عطا ہے ۔۔۔ ہر ایک تیری بشارت سے ہوا ہے
یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیدہ ہے ۔۔۔ یہی ہیں پنج تن جن پر بنا ہے
یہ تیرا فضل ہے اے میرے ہادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

دیے تو نے مجھے یہ مہر و مہتاب ۔۔۔ یہ سب ہیں میرے پیارے تیرے اسباب
دِکھایا تو نے وہ اے ربِّ ارباب ۔۔۔ کہ کم دکھا سکتا کوئی خواب
یہ تیرا فضل ہے اے میرے ہادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا ۔۔۔ جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اُس مہ سے اندھیرا ۔۔۔ دِکھاؤں گا کہ اِک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اِک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

مری ہر بات کو تو نے چلا دی ۔۔۔ مری ہر روک بھی تو نے اُٹھادی
مری ہر پیش گوئی خود بنادی ۔۔۔ تری نسلاً بعیداً بھی دِکھا دی
جو دی ہے مجھ کو وہ کس کو عطا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

کروں کیونکر ادا میں شکرِ باری ۔۔۔ فِدا ہو اُس کی رہ میں عمر ساری
مرے سر پر ہے منت اس کی بھاری ۔۔۔ چلی اُس ہاتھ سے کشتی ہماری
مری بگڑی ہوئی اُس نے بنادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

تُجھے حمد و ثنا زیبا ہے پیارے ۔۔۔ کہ تو نے کام سب میرے سنوارے
ترے اِحساں مرے سر پر ہیں بھارے ۔۔۔ چمکتے ہیں وہ سب جیسے ستارے
گڑھے میں تو نے سب دُشمن اُتارے ۔۔۔ ہمارے کر دیے اُونچے منارے
مقابل پر مرے یہ لوگ ہارے ۔۔۔ کہاں مرتے تھے پر تو نے ہی مارے
شریروں پر پڑے اُن کے شرارے ۔۔۔ نہ اُن سے رُک سکے مقصد ہمارے
اُنہیں ماتم ہمارے گھر میں شادی ۔۔۔ فسبحان الذی اخزی الاعادی

(بحوالہ درثمین اُردو صفحہ 57-60)

خطبہ جمعہ

آج کل ہم جس اسلامی مہینہ سے گزر رہے ہیں اس مہینہ کا نام محرم الحرام ہے۔ یہ ماہ اسلامی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے۔ عام طور پر جب سال کا پہلا مہینہ آتا ہے، نیا سال شروع ہوتا ہے تو ہم ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ لیکن جب قمری سال کا یہ مہینہ شروع ہوتا ہے تو مسلمان شرفاء کی اکثریت جن کو اُمّت کا درد ہے، اس مہینہ کے آنے پر فکر اور خوف کا اظہار شروع کر دیتی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ان دنوں میں باوجود حکومتوں کے اعلانوں کے، باوجود مختلف فرقوں کے علماء کے مشترکہ بیانات کے، اعلانات کے یا تو شیعہ سُنّی فساد شروع ہو جاتے ہیں یا کہیں نہ کہیں کسی تعزیہ پر یا امام باڑے پر دوسرے فرقوں کی طرف سے یا شرارتی عنصر کی طرف سے حملہ ہو جاتا ہے۔

صحابہؓ رسول کے مقام و مرتبہ اور ان کی عزت و تکریم سے متعلق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُر حکمت اور بصیرت افروز ارشادات کا تذکرہ

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قربانی کا جو عملی نمونہ ہمارے سامنے قائم فرمایا ہے وہ ہمارے لئے رہنما ہے۔

ان دنوں میں یعنی محرم کے مہینہ میں خاص طور پر جہاں اپنے لئے صبر و استقامت کی ہر احمدی دعا کرے، وہاں دشمن کے شر سے بچنے کے لئے رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ کی دعا بھی بہت پڑھیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ کی دعا بھی بہت پڑھیں۔

درود شریف پڑھنے کی طرف بھی بہت توجہ دیں۔ جب بھی درود شریف پڑھیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس حد تک اس درود سے فیضیاب ہونے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔

اسرائیل جو کچھ فلسطینیوں کے ساتھ کر رہا ہے، اس کے لئے بھی بہت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ معصوم جانوں کو ہر قسم کے ظلم سے بچائے۔

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 23 نومبر 2012ء بمطابق 23 نبوت 1391 ہجری شمسی بمقام مسجد بیت الفتوح۔ مورڈن۔ لندن

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ بدر الفضل انٹرنیشنل مورخہ 14 دسمبر 2012 کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہا ہے)

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

آج کل ہم جس اسلامی مہینہ سے گزر رہے ہیں اس مہینہ کا نام محرم الحرام ہے۔ یہ ماہ اسلامی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے۔ عام طور پر جب سال کا پہلا مہینہ آتا ہے، نیا سال شروع ہوتا ہے تو ہم ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ محرم بعض جگہوں پر جمعہ کو شروع ہوا ہے یا پھر جمعرات کو شروع ہوا ہے۔ بہر حال جب مَیں گزشتہ جمعہ پر آنے لگا تو ایک صاحب باہر کھڑے تھے، انہوں نے مبارکباد دی۔ لیکن مبارکباد کس چیز کی؟ کیونکہ اُسی دن عراق میں دھماکے ہوئے، شیعوں پر حملے کئے گئے اور درجنوں شہید کر دیئے گئے۔ سو ہم نئے سال کے شروع میں عموماً ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں لیکن جب قمری سال کا یہ مہینہ شروع ہوتا ہے تو مسلمان شرفاء کی اکثریت جن کو اُمّت کا درد ہے، اس مہینہ کے آنے پر فکر اور خوف کا اظہار شروع کر دیتی ہے۔ یہ کیوں ہے؟ جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ دھماکے ہوتے ہیں، قتل و غارت ہوتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ ان دنوں میں باوجود حکومتوں کے اعلانوں کے، باوجود مختلف فرقوں کے علماء کے مشترکہ بیانات کے، اعلانات کے یا تو شیعہ سُنّی فساد شروع ہو جاتے ہیں یا کہیں نہ کہیں کسی تعزیہ پر یا امام باڑے پر دوسرے فرقوں کی طرف سے یا شرارتی عنصر کی طرف سے حملہ ہو جاتا ہے اور اب تو مفاد پرست اور دہشتگرد دوسروں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر شیعوں کی مجالس یا مجمع پر حملہ کر کے درجنوں معصوموں کی جان لے لیتے ہیں۔ ان میں سے ایسے بھی ہیں جن کے مذہبی مقاصد نہیں ہیں یا مذہبی اختلاف نہیں ہے بلکہ سیاسی مقاصد ہوتے ہیں، حکومتوں کو ناکام کرنا چاہتے ہیں۔ عام طور پر دس محرم کو زیادہ خطرے کا دن ہوتا ہے جو مغربی ممالک میں تو کل ہے۔ یہاں تو کوئی ایسا خطرہ نہیں لیکن مشرقی ممالک میں آج ہے شاید پاکستان میں اور کچھ اَور ملکوں میں بھی ہو۔ اس دن ظلموں کی بعض دفعہ انتہا کر دی جاتی ہے بلکہ اس دفعہ تو شیعوں کے مختلف اکٹھ پر یہ حملے شروع ہو چکے ہیں جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ پہلی تاریخ کو ہی عراق میں شیعوں پر حملہ کیا گیا۔ پاکستان میں راولپنڈی، کراچی، کوئٹہ، سوات میں یہ حملے کئے گئے۔ کل اخبار میں تھا کہ دھماکے ہوئے اور کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ بلکہ راولپنڈی میں تو پرسوں بھی حملے ہوئے اور کل بھی ہوئے۔ کل بھی ان حملوں کی وجہ سے جو شیعوں پر

کئے گئے تیئس لوگ موت کے منہ میں چلے گئے۔شیعوں کو موقع ملتا ہے تو وہ اس طرح بدلہ لیتے ہیں۔اُمّتِ مسلمہ کی اب عجیب قابل رحم حالت ہے۔یہی مذہبی اختلافات یا کسی بھی قسم کے اختلافات ہیں جو مسلمانوں یا مسلمان حکومتوں میں بھی ایک دوسرے میں خلیج پیدا کرتے چلے جا رہے ہیں۔یا بعض ملک ایسے ہیں جن میں ملک کے اندر ہی اقلیتی فرقے کی حکومت ہے تو اکثریتی فرقہ شدید ردّعمل دکھا رہا ہے جو گولہ بارود کے استعمال پر منتج ہے۔اقلیتی فرقے کو موقع ملتا ہے تو وہ اکثریت پر حملہ کر دیتا ہے اور اسی بنیاد پر دہشتگردی کے خلاف جنگ کے نام پر یا باغیوں کو کچلنے کے نام پر حکومت بھی معصوم جانیں ضائع کر رہی ہے۔بلا سوچے سمجھے بمباری ہو رہی ہے، فائرنگ ہو رہی ہے، گھروں کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے۔اپنے ہی ملک کے ہزاروں مردوں عورتوں کو موت کے منہ میں اتار دیا جاتا ہے۔شام میں آجکل یہی کچھ ہو رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام مخالف قوتوں کو اپنی من مانی کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔فلسطینیوں پر اسرائیل کا حملہ مسلمانوں کے اس اختلاف اور ایک نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔کوئی اسلامی ملک نہیں ہے جہاں مذہبی اختلاف یا سیاسی اختلاف کی بنا پر تمام اخلاقی قدروں کو پامال نہ کیا جا رہا ہو۔یا جہاں ایک دوسرے کے خلاف ظلم کی بھیانک داستانیں رقم نہ کی جا رہی ہوں۔نتیجۃً کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے کی طرف سے ظلم ہوتا ہوا تو ہمیں نظر آ ہی رہا ہے، بیرونی اسلامی قوتیں بھی اس کے نتیجہ میں اپنے دائرے اسلامی ممالک پر تنگ کرتی چلی جا رہی ہیں۔

کاش کہ مسلمانوں کو عقل آ جائے اور یہ ایک ہو جائیں۔اپنے اسلاف سے کچھ سبق سیکھیں، تاریخ ہمیں ان کے متعلق کیا کہتی ہے۔جب ایک اسلام مخالف بڑی طاقت نے ،روم کی حکومت نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کی وجہ سے اسلامی طاقت کو کمزور سمجھتے ہوئے اپنی ساکھ بحال کرنے کے لئے حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہؓ کے علم میں جب بات آئی تو اُس بادشاہ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے آپس کے اختلافات سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔اگر حملہ کیا تو مَیں حضرت علیؓ کی طرف سے پہلا جرنیل ہوں گا جو تمہارے خلاف لڑے گا۔(البدایۃ و النہایۃ از حافظ ابن کثیر جلد 8 صفحہ 126 سنۃ 60 وھذہ ترجمۃ معاویۃ رضی اللہ عنہ و ذکر شیءمن ایامہ و دولتہ و ما ورد فی مناقبہ و فضائلہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2001ء)

تو یہ ردّعمل تھا اُن صحابہ کا جن کی طرف ہم اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔اور آج یہ لوگ مخالفین کے ساتھ مل کر اسلامی حکومتوں کے خلاف منصوبہ بندی کرتے ہیں اور پھر مسلمان بھی ہیں۔

ہاں ایک بات پر ان علماء کا یا نام نہاد علماء کا یا اُس طبقہ کا جو شر پھیلانے والا ہے، اتفاق ہوتا ہے اور وہ مسیح محمدی کی قائم کردہ جماعت کے خلاف منصوبہ بندی یا احمدیوں کو جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر دل و جان سے ایمان اور یقین رکھتے ہیں، زبردستی دائرہ اسلام سے خارج کرنا ہے۔ان لوگوں کو ذرا بھی یہ خوف نہیں کہ جس نبی کا کلمہ یہ پڑھتے ہیں یا دعویٰ کرتے ہیں، جس کے لئے جان و آبرو قربان کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اُس کے اس ارشاد پر بھی ذرا غور کریں۔اس کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا۔یہ ایک اصولی حکم ہے اور صرف ایک صحابی کے لئے نہیں تھا کہ کیا تم نے لوگوں کے دل چیر کے دیکھے ہیں کہ یہ دل سے کلمہ پڑھتے ہیں یا اوپر سے اور کسی خوف کی وجہ سے؟ کاش کہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔علماء کہلانے والے اپنے نام نہاد علم کے دعویٰ کے خول سے باہر آئیں۔عوام الناس کو گمراہ کرنے کے بجائے اُنہیں انصاف اور حق بتانے کی کوشش کریں اور اُس جری اللہ کے ساتھ منسلک ہو کر تمام فرقہ بندیوں کا خاتمہ کر کے ظلم و تعدّی کو ختم کریں۔اور مذہبی جنگوں کے تصور کو ختم کر کے اسلام کی خوبصورت تعلیم کو مسیح الزمان کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق پھیلا کر دشمن کی طاقت کو ختم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لانے والے بن جائیں۔

محرّم کے حوالے سے مَیں نے بات شروع کی تھی تو اِس وقت مَیں اُس مسیح الزمان اور مہدی دوران کے چند حوالے آپ کے سامنے پیش کروں گا تا کہ لاکھوں کی تعداد میں اُن احمدیوں کے سامنے یہ بات آ جائے، وہ احمدی بھی سن لیں جو نئے شامل ہونے والے ہیں اور وہ بھی جو نوجوان ہیں اور علم نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس طرح بزرگوں کی عزت کو قائم کیا، کس طرح صحابہ کے مقام کو پہچانا، کس طرح شیعہ سنّی کے فرق کو مٹایا اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تمام مسلمانوں کو جو روئے زمین پر بستے ہیں ایک ہاتھ پر جمع کر کے اُمّتِ واحدہ بنانے کے طریق سکھائے۔اسی طرح غیر از جماعت جو بعض دفعہ ہمارے خطبات سنتے ہیں، باتیں سنتے ہیں، اُن کو بھی پتہ چلے کہ اس زمانہ میں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی حقیقی تصویر بننے کے لئے سچی تعلیم کیا ہے۔کچھ غور کریں کہ کب تک مسلمانوں کی کمزور حالت کا رونا رو کر، صرف ظاہری جلسے جلوس کر کے یا پھر دہشت گردی کر کے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کا فرض اور حق ادا کرنے والا سمجھتے رہیں گے۔کب تک دشمن کو اپنی بے نتیجہ اور ظالمانہ کارروائیاں کر کے اسلام پر حملے کرنے کے مواقع فراہم کرتے رہیں گے۔

پس چاہے مسلمان ممالک کی بدامنی اور بے سکونی اپنے ملکوں میں ایک دوسرے پر ظلم کی وجہ سے ہو یا اسلام دشمن طاقتوں کے مسلمانوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہو، اس کا حل اور قیامِ امن کا علاج اور مسلمانوں کے رعب کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے اُس فرستادہ کے پاس ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشقِ صادق اور آپؐ کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کے مشن کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔جیسا کہ مَیں نے کہا آپؑ کے چند اقتباسات آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو تمام صحابہ کے مقام پر روشنی ڈالتے ہیں۔اس وقت مسلمانوں نے اگر اپنی اکائی منوانی ہے، اپنی ساخت کو قائم کرنا ہے، اسلام کو غیروں کے حملوں سے بچانا ہے، دنیا کو اسلام کا پیغام پہنچا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لانا ہے تو پھر شیعہ سنّی کے فرق کو مٹانا ہوگا۔آپس کے، فرقوں کے، گروہ بندیوں کے فرق کو مٹانا ہوگا۔اُس اسلام کی تعلیم پر عمل کرنا ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے جس میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔جس میں ہر صحابی قربانی کی ایک مثال تھا۔نیکی اور تقویٰ کا نمونہ تھا۔ایسا ستارہ تھا جس سے روشنی اور رہنمائی ملتی تھی۔لیکن بعض کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دوسروں سے بلند بھی تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام کو اللہ تعالیٰ نے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بلندی دی ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتی۔اسی طرح حضرت عمرؓ کا مقام ہے۔حضرت عثمانؓ کا اور حضرت علیؓ کا مقام ہے۔حضرت امام حسینؓ اور حسنؓ کا مقام ہے۔یہ درجہ بدرجہ اسی طرح آتا ہے۔

پس حفظ مراتب کے لحاظ سے صحابہ کے مقام کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔اگر یہ ہوگا تو ہر قسم کے فساد مٹ جائیں گے اور یہ سب فرق مٹانے کے لئے آخرین میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے اور ہر صحابی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قرابت دار کا مقام ہمیں بتا کر اُن کی عزت و تکریم قائم فرمائی۔

آپؑ ''سرالخلافۃ'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔یہ عربی میں ہے۔اس کا ترجمہ اردو میں یہ ہے کہ: ''مجھے علم دیا گیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ میں بلند ترین شان اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور بلاشبہ پہلے خلیفہ تھے اور آپ کے بارہ میں خلافت کی آیات نازل ہوئیں''۔

(سرالخلافۃ۔روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 337)

پھر سرالخلافۃ کا ہی حوالہ ہے۔اس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ: ''بخدا آپ اسلام کے آدم ثانی اور خیر الانام کے مظہر اول تھے اور گو آپ نبی تو نہ تھے مگر آپ میں نبیوں اور رسولوں کی قوتیں موجود تھیں''۔ (سرالخلافۃ۔روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 336)

پھر سرالخلافۃ میں ہی آپ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ میں سے سب سے زیادہ بہادر اور متقی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ پیارے ہیں اور فتحمند جرنیل ہیں اور سید الکائنات کی محبت میں فنا اور شروع سے ہی آپ کے غمگسار اور آپ کے کاموں میں آپؐ کے مددگار۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تنگی کے زمانے میں ان کے ذریعہ تسلّی دی اور اُنہیں صدّیق کے نام سے مخصوص کیا گیا۔وہ نبیٔ دو جہان کے مقرب بنے اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ثَانِیَ اثْنَیْنِ کی خلعت سے نوازا اور اپنے خاص بندوں میں شامل کیا۔(سرالخلافۃ۔روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 339)

پھر ایک جگہ آپ ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں خلیفہ اوّل نے جو بڑے ملک التجار تھے مسلمان ہوکر لانظیر مدد کی اور آپ کو یہ مرتبہ ملا کہ صدّیق کہلائے اور پہلے رفیق اور خلیفہ اوّل ہوئے۔ لکھا ہے کہ جب آپ تجارت سے واپس آئے تھے اور ابھی مکّہ میں نہ پہنچے تھے کہ راستہ میں ہی ایک شخص ملا۔ اس سے پوچھا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ۔ اس نے کہا کہ اور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تمہارے دوست نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے وہیں کھڑے ہوکر کہا کہ اگر اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے تو سچا ہے''۔

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 365 ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

پھر آپ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال ومتاع خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دیا اور آپ کمبل پہن لیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر اُنہیں کیا دیا۔ تمام عرب کا اُنہیں بادشاہ بنا دیا اور اُسی کے ہاتھ سے اسلام کو نئے سرے زندہ کیا اور مرتد عرب کو پھر فتح کر کے دکھا دیا۔ اور وہ کچھ دیا جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا''۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 286 ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ جانتے ہو کہ صحابہ میں کس قدر بڑا ہے؟ یہاں تک کہ بعض اوقات اُن کی رائے کے موافق قرآن شریف نازل ہو جایا کرتا تھا اور اُن کے حق میں یہ حدیث ہے کہ شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ دوسری یہ حدیث ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ تیسری یہ حدیث ہے کہ پہلی اُمتوں میں محدّث ہوتے رہے ہیں اگر اس امّت میں کوئی محدّث ہے تو وہ عمرؓ ہے''۔ (ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 219)

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''عمر رضی اللہ عنہ کو بھی الہام ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے تئیں کچھ چیز نہ سمجھا'' (الہام ہوتا تھا کہ مَیں کچھ بن گیا ہوں تو پھر بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھا) ''اور امامتِ حقّہ جو آسمان کے خدا نے زمین پر قائم کی تھی، اُس کا شریک بننا نہ چاہا'' (یعنی کہ جو مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گیا تھا، یہ نہیں کہ الہام ہو گیا تو اُن کا شریک بننے لگ گئے) ''بلکہ ادنیٰ چاکر اور غلام اپنے تئیں قرار دیا۔ اس لئے خدا کے فضل نے اُن کو نائب امامت حقّہ بنا دیا''۔ (یعنی خلافت کی خلعت سے نوازا۔)

(ضرورۃ الامام۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 474-473)

پھر 'حجۃ اللہ' میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں۔ عربی کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں دو ایسے آدمی دفن کئے گئے ہیں جو نیک تھے، پاک تھے، مقرب تھے، طیّب تھے اور خدا نے اُن کو زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد اپنے رسول کے رفقاء ٹھہرایا''۔ (یعنی وفات کے بعد بھی ساتھ ہی، قریب ہی دفن ہوئے) ''پس رفاقت یہی رفاقت ہے جو اخیر تک نبھی اور اس کی نظیر کم پاؤ گے۔ پس اُن کو مبارک ہو جو انہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ زندگی بسر کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہر میں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ خلیفے مقرر کئے گئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کنارِ روضہ میں دفن کئے گئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مزار کے بہشت سے نزدیک کئے گئے اور قیامت کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے''۔ (حجۃ اللہ۔ روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 183)

پھر 'سرّ الخلافۃ' کا ایک حوالہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''میرے ربّ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیک اور ایمان والے تھے اور اُن لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور اپنی عنایات کے لئے مخصوص کر لیا۔...... خدا کی قسم اُس نے ابوبکر، عمر اور عثمان ذوالنورین کو اسلام کے دروازے اور خدائی فوج کے ہراول دستے بنا دیا ہے''۔

(سرّ الخلافۃ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 327-326)

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''آپ بڑے متقی اور پاک صاف تھے اور اُن لوگوں میں سے تھے جو خدائے رحمان کے سب سے پیارے اور اچھے خاندان والے تھے اور زمانے کے سرداروں میں سے تھے۔ غالب خدا کے شیر اور مہربان خدا کے نوجوان تھے۔ بہت سخی اور صاف دل تھے۔ آپ وہ منفرد بہادر تھے جو میدانِ حرب میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے تھے خواہ آپ کے مقابل دشمنوں کی ایک فوج ہی کیوں نہ ہوتی۔ آپ نے کسمپرسی کی زندگی بسر کی اور پرہیزگاری میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ آپ مال و دولت عطا کرنے والے، ہم وغم دور کرنے والے اور یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کی دیکھ بھال کرنے والے پہلے شخص تھے اور مختلف معرکوں میں آپ سے بہادری کے کارنامے ظاہر ہوتے تھے''۔ (یہ نہیں کہ صرف یہی پہلے شخص تھے مطلب یہ کہ اُن کا بہت اچھا بڑا مقام تھا) ''مختلف معرکوں میں آپ سے بہادری کے کارنامے ظاہر ہوتے تھے اور آپ تلوار اور نیزہ کی جنگ میں عجائب باتوں کے مظہر تھے اور اس کے ساتھ ہی آپ شیریں بیان اور فصیح اللسان تھے''۔ (یعنی تقریر میں ایسی فصاحت و بلاغت تھی کہ جس کی کوئی مثال عام آدمیوں میں نہیں) ''اور آپ کا کلام دلوں کی تہ تک اتر جاتا تھا۔ آپ اپنے کلام کے ذریعہ سے ذہنوں کے زنگ دور کرتے اور اُسے دلیل کے نور سے منور کر دیتے تھے۔ آپ ہر قسم کے اسلوب سے واقف تھے اور جو کوئی کسی معاملے میں صاحب فضیلت ہوتا تھا وہ بھی آپ کی طرف مغلوب کی طرح معذرت کرتا ہوا آتا تھا۔ آپ ہر خوبی اور فصاحت و بلاغت کے طریقوں میں کامل تھے اور جس نے آپ کے کمال کا انکار کیا تو وہ گویا بے حیائی کے رستے پر چل پڑا۔ آپ مجبور کی ہمدردی پر ترغیب دلاتے تھے اور ہر قناعت کرنے والے اور پیچھے پڑ کر مانگنے والے کو کھانا کھلانے کا حکم دیتے تھے۔ (یعنی قناعت کرنے والے کا خیال بھی رکھتے تھے، جو نہیں بھی مانگنے والا اور جو مانگنے والا ہے چاہے وہ ضدی مانگنے والا ہی ہو اُس کا خیال بھی رکھتے تھے۔) آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے تھے۔ اسی طرح آپ کاسۂ فرقان سے دودھ پینے میں سبقت لے جانے والوں میں سے تھے۔ آپ کو قرآن کریم کے دقیق نکات کی معرفت کا عجیب فہم حاصل ہوا تھا''۔ (جو قرآن کریم ہے، اُس کا جو علم ہے وہ علم کا ایک روحانی دودھ ہے، اُس میں آپ بہت بڑا فہم وادراک رکھنے والے تھے۔)

(سرّ الخلافۃ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 359-358)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جب مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی ہے تو اُس وقت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ''تب ایک جانی عزیز جس کا وجود محبت اور ایمان سے خمیر کیا گیا تھا، جانبازی کے طور پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر پر باشارۂ نبوی اس غرض سے منہ چھپا کر لیٹ رہا کہ تا مخالفوں کے جاسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل جانے کی کچھ تفتیش نہ کریں اور اُسی کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھ کر قتل کرنے کے لئے ٹھہرے رہیں''۔

فارسی میں آپ فرماتے ہیں کہ

''کس بہرِ کسے سر ندہد جاں نفشاند   عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 65 بقیہ حاشیہ)

یعنی کوئی کسی کے لئے سر نہیں کٹواتا، نہ جان دیتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو یہ کام بہت شوق اور خلوص سے کرواتا ہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ سے اپنی مشابہت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''مجھے علیؓ اور حسینؓ سے ایک لطیف مشابہت ہے اور اس بھید کو مشرق اور مغرب کے ربّ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور یقیناً میں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے دونوں بیٹوں سے محبت رکھتا ہوں اور اُس سے دشمنی کرتا ہوں جو ان دونوں سے دشمنی رکھتا ہے''۔

(سرّ الخلافۃ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 359)

پھر آپ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے بارے میں کہ دونوں کے اپنے اپنے کارنامے تھے، کام تھے اور اپنا ایک مقام تھا، اُن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''حضرت حسنؓ نے میری دانست میں بہت اچھا کام کیا کہ خلافت سے الگ ہو گئے۔ پہلے ہی ہزاروں خون ہو چکے

تھے۔ انہوں نے پسند نہ کیا کہ اَور خون ہوں اس لیے معاویہ سے گزارہ لے لیا۔ چونکہ حضرت حسنؓ کے اس فعل سے شیعہ پر زد ہوتی ہے اس لیے امام حسنؓ پر پورے راضی نہیں ہوئے''۔ (اگر شیعہ حضرت علی کی اولاد ہی کے بارے میں کہتے ہیں تو حضرت حسن کے بارے میں اتنا زیادہ غلو سے کام نہیں لیا جاتا جتنا حضرت حسین کے بارے میں لیا جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اُس سے خوش نہیں ہوئے) فرمایا ''ہم تو دونوں کے ثناخواں ہیں''۔ (ہم تو دونوں کی تعریف کرتے ہیں) ''اصلی بات یہ ہے کہ ہر شخص کے جدا جدا قویٰ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ نے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی بڑھے اور خون ہوں۔ انہوں نے امن پسندی کو مدّنظر رکھا اور حضرت امام حسینؓ نے پسند نہ کیا کہ فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ اس سے دین میں خرابی ہوتی ہے۔ دونو کی نیت نیک تھی۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ یہ الگ امر ہے کہ یزید کے ہاتھ سے بھی اسلامی ترقی ہوئی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ چاہے تو فاسق کے ہاتھ سے بھی ترقی ہو جاتی ہے۔ یزید کا بیٹا نیک بخت تھا''۔ (یعنی نیک آدمی تھا۔)

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 580-579 ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

پھر ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ''اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام اور ایسا ہی اَور جو خدا تعالیٰ کے راستباز اور صادق بندے ہوتے ہیں وہ دنیا میں ایک نمونہ ہو کر آتے ہیں۔ جو شخص اس نمونہ کے موافق چلنے کی کوشش نہیں کرتا لیکن اُن کو سجدہ کرنے اور حاجت روا ماننے کو تیار ہو جاتا ہے''۔ (یعنی غلُو سے کام لیتا ہے۔ اُن کا نمونہ تو نہیں اپناتا ہے لیکن مبالغہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اُن کو سجدہ کرنے لگ جائے اور اپنی حاجتیں پوری کرنے والا سمجھ لے) ''وہ کبھی خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قدر نہیں ہے بلکہ وہ دیکھ لے گا کہ مرنے کے بعد وہ امام اُس سے بیزار ہو گا۔ ایسا ہی جو لوگ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یا حضرت امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے درجہ کو بہت بڑھاتے ہیں گویا اُن کی پرستش کرتے ہیں وہ امام حسین کے متّبعین میں نہیں ہیں اور اس سے امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خوش نہیں ہو سکتے۔ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ پیروی کے لیے نمونہ ہو کر آتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ بدُوں پیروی کچھ بھی نہیں''۔ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 535 ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ) یعنی اصل چیز یہ ہے کہ ان نیک لوگوں کے اور خاص طور پر انبیاء کے طریق پر چلا جائے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام احمدیوں کو نصیحت کرتے ہوئی فرماتے ہیں کیونکہ کسی احمدی نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں کوئی بات کی تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں آئی، اس پر آپ سخت ناراض ہوئے اور احمدیوں کو فرمایا کہ: ''واضح ہو کہ کسی شخص کے کارڈ کے ذریعہ سے مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض نادان آدمی جو اپنے تئیں میری جماعت کی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ کلمات منہ پر لاتے ہیں کہ نعوذ باللہ حسین بوجہ اس کے کہ اُس نے خلیفۂ وقت یعنی یزید سے بیعت نہیں کی، باغی تھا اور یزید حق پر تھا۔ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن۔'' فرمایا: ''مجھے امید نہیں کہ میری جماعت کے کسی راستباز کے منہ سے ایسے خبیث الفاظ نکلے ہوں۔ مگر ساتھ اس کے مجھے یہ بھی دل میں خیال گزرتا ہے کہ چونکہ اکثر شیعہ نے اپنے وِردِ تبرّے اور لعن طعن میں مجھے بھی شریک کر لیا ہے'' (یعنی مجھے گالیاں نکالتے رہتے ہیں) ''اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ کسی نادان بے تمیز نے سفیہانہ بات کے جواب میں سفیہانہ بات کہہ دی ہو۔ جیسا کہ بعض جاہل مسلمان کسی عیسائی کی بدزبانی کے مقابل پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کرتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کچھ سخت الفاظ کہہ دیتے ہیں۔ بہرحال مَیں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع، دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔ اور جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے، وہ معنی اُس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی امر سہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۔قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (الحجرات: 15) مومن وہ لوگ ہوتے ہیں...... جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اُس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے اور اُس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمالِ فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو، سب سے اپنے تئیں دُور تر لے جاتے ہیں۔ لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اُس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہّر تھا اور بلاشبہ وہ اُن برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اُس سے موجب سلبِ ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر اور استقامت اور زُہد اور عبادت ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ اور ہم اُس معصوم کی ہدایت کے اقتدا کرنے والے ہیں جو اُس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اُس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اُس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔ اور اُس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے اُن کا قدر مگر وہی جو اُن میں سے ہیں۔ اس دنیا کی آنکھ اُن کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسینؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اُس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے۔ اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو آئمہ مطہّرین میں سے ہے، تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اُس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ اُس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اُس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ جو شخص مجھے برا کہتا ہے یا لعن طعن کرتا ہے اس کے عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوب الٰہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت ہے۔ ایسے موقع پر درگزر کرنا اور نادان دشمن کے حق میں دعا کرنا بہتر ہے کیونکہ اگر وہ لوگ مجھے جانتے کہ میں کس کی طرف سے ہوں تو ہرگز برا نہ کہتے''۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 548 تا 550 اشتہار نمبر 263 مطبوعہ الشرکۃ الاسلامیۃ ربوہ)

پھر آپ فرماتے ہیں کہ: ''خدا کے پیاروں اور مقبولوں کے لئے روحانی آل کا لقب نہایت موزوں ہے۔'' (درود شریف میں پڑھتے ہیں ناں اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ فرمایا کہ روحانی آل کا جو لفظ ہے خدا کے پیاروں اور مقبولوں کے لئے ہے اور وہ اپنے روحانی آل یا اہل بیت کا یعنی حضرت امام حسنؓ حسینؓ کا ذکر کر رہے ہیں کہ) ''اور وہ روحانی آل اپنے روحانی نانا سے وہ روحانی وراثت پاتے ہیں جس کو کسی غاصب کا ہاتھ غصب نہیں کر سکتا اور وہ اُن باغوں کے وارث ٹھہرتے ہیں جن پر کوئی دوسرا قبضہ ناجائز کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہ سفلی خیال بعض اسلامی فرقوں میں اُس وقت آ گئے ہیں جبکہ اُن کی روح مردہ ہو گئی اور اُس کو روحانی طور پر آل ہونے کا کچھ بھی حصہ نہ ملا۔ اس لئے روحانی مال سے لاوارث ہونے کی وجہ سے اُن کی عقلیں موٹی ہو گئیں اور اُن کے دل مکدّر اور کوتہ بین ہو گئے۔ اِس میں کس ایماندار کو کلام ہے کہ حضرت امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما خدا کے برگزیدہ اور صاحبِ کمال اور صاحبِ عفّت اور عصمت اور ائمۃ الہدیٰ تھے'' (یعنی ہدایت کے امام تھے) ''اور وہ بلاشبہ دونوں معنوں کے رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آل تھے...... سو اہلِ معرفت اور حقیقت کا یہ مذہب ہے کہ اگر حضرت امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفلی رشتہ کے لحاظ سے آل بھی نہ ہوتے تب بھی بوجہ اِس کے کہ وہ روحانی رشتہ کے لحاظ سے آسمان پر آل ٹھہر گئے تھے وہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مال کے وارث ہوتے۔ جبکہ فانی جسم کا ایک رشتہ ہوتا ہے تو کیا روح کا کوئی بھی رشتہ نہیں؟ بلکہ حدیث صحیح سے اور خود قرآنِ شریف سے بھی ثابت ہے کہ روحوں میں بھی رشتے ہوتے ہیں اور ازل سے دوستی اور دشمنی بھی ہوتی ہے۔ اب ایک عقلمند انسان سوچ سکتا ہے کہ کیا لازوال اور ابدی طور پر آلِ رسول ہونا جائے فخر ہے یا جسمانی طور پر آلِ رسول ہونا جو بغیر تقویٰ اور طہارت اور ایمان کے کچھ بھی چیز نہیں۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان کرتے ہیں''۔ (یعنی آپ فرما رہے ہیں کہ روحانی آل ہونے کا مقام اُس سے بہت بڑھ کر ہے جتنا کہ جسمانی آل

ہونے کا یا اولاد ہونے کا) فرمایا: ’’کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان کرتے ہیں بلکہ اس تحریر سے ہمارا مُدّعا یہ ہے کہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی شان کے لائق صرف جسمانی طور پر آلِ رسول ہونا نہیں کیونکہ وہ بغیر روحانی تعلق کے ہیچ ہے‘‘۔ (یعنی یہ اُن کی شان نہیں ہے کہ جسمانی طور پر وہ آل رسول تھے۔ اصل چیز روحانی تعلق ہے۔ پھر فرمایا) ’’اور حقیقی تعلق اُن ہی عزیزوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو روحانی طور پر اُس کی آل میں داخل ہیں۔ رسولوں کے معارف اور انوار روحانی رسولوں کے لئے بجائے اولاد ہیں جو اُن کے پاک وجود سے پیدا ہوتے ہیں‘‘۔ (یعنی کہ اصل چیز اُن کی تعلیم اور معارف اور اُن کا جو روحانی نور منتشر ہوتا ہے وہ ہے اور وہی اُن کے ماننے والوں میں اصل چیز ہے) ’’اور جو لوگ اُن معارف اور انوار سے نئی زندگی حاصل کرتے ہیں اور ایک پیدائشِ جدید اُن انوار کے ذریعہ سے پاتے ہیں وہی ہیں جو روحانی طور پر آل محمدؐ کہلاتے ہیں‘‘۔

(تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 364 تا 366 حاشیہ)

پس ہر احمدی، ہر مسلمان اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے والا ہے، آپ کے نور سے فیضیاب ہونے والا ہے، آپ کی حقیقی تعلیم پر عمل کرنے والا ہے تو آلِ محمدؐ میں اُس کا شمار ہو جائے گا۔

پس یہ وہ حقیقی طریق ہے جس پر ہر مسلمان کے لئے چلنا ضروری ہے کہ ہر بزرگ کے مقام کو پہچان کر اُس کی عزت کریں، اُس کا احترام کریں۔ آپس کے جھگڑوں اور فسادوں اور قتل و غارت گری کو ختم کریں۔ بعید نہیں کہ یہ سب قتل و غارت گری اور فساد جو ہو رہے ہیں، مسلمان مسلمان کو جو قتل کر رہا ہے اس میں اسلام مخالف طاقتوں کا ہاتھ ہو جو مسلمانوں میں گروہ بندیاں کر کے، پیسہ دے کر، رقم خرچ کر کے فساد کروا رہے ہیں یا خود بیچ میں شامل ہو کر یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ اب جو شیعوں پر حملے ہو رہے ہیں یا مسجدوں پر حملے ہو رہے ہیں، ان میں اُن تنظیموں کا ہاتھ ہے جنہیں حکومت دہشتگرد کہتی ہے اور دہشتگردوں کے بارے میں یہ بھی حکومتوں کی رپورٹیں ہیں اور پاکستان میں بھی ہیں کہ ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو بعض مسلمان ہی نہیں تھے بلکہ فساد پیدا کرنے کے لئے باہر سے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُمّت پر رحم کرے اور ان کو ایک ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

احمدیوں کو بھی مَیں کہنا چاہوں گا کہ دوسرے مسلمان فرقے تو ایک دوسرے سے بدلے لیتے ہیں کہ اگر ایک نے حملہ کیا تو دوسرے نے بھی کر دیا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آ کر باوجود تمام تر ظلموں کے جو یہ تمام فرقے اکٹھے ہو کر ہم پر کر رہے ہیں، ہمارے ذہنوں میں کبھی بھی بدلے کا خیال نہیں آنا چاہئے۔ ہاں کسی بات کی اگر ضرورت ہے تو یہ کہ ہم میں سے ہر ایک ہر ظلم کے بعد نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرے اور پہلے سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے دعاؤں میں لگ جائے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قربانی کا جو عملی نمونہ ہمارے سامنے قائم فرمایا ہے وہ ہمارے لئے رہنما ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ایک شعر میں جماعت کو اس طرح نصیحت فرمائی ہے کہ ؎

وہ تم کو حسین بناتے ہیں اور آپ یزیدی بنتے ہیں
یہ کیا ہی سستا سودا ہے دشمن کو تیر چلانے دو

(کلام محمود۔ مجموعہ منظوم کلام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نظم 94 صفحہ 218)

پس حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہیں، ہمیں صبر و استقامت کا سبق دے کر ہمیں جنت کے راستے دکھا دیئے۔ ان دنوں میں یعنی محرم کے مہینہ میں خاص طور پر جہاں اپنے لئے صبر و استقامت کی ہر احمدی دعا کرے، وہاں دشمن کے شر سے بچنے کے لئے رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ کی دعا بھی بہت پڑھیں۔ پہلے بھی بتایا تھا کہ ہمیں یہ دعا محفوظ رہنے کے لئے پڑھنے کی بہت ضرورت ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ کی دعا بھی بہت پڑھیں۔ درود شریف پڑھنے کے لئے میں نے گزشتہ جمعہ میں بھی کہا تھا پہلے بھی کہتا رہتا ہوں کہ اس طرف بہت توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ دشمن جو ہمارے خلاف منصوبہ بندیاں کر رہا ہے اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید و نصرت فرمائے اور ہم پر رحم کرتے ہوئے دشمنانِ احمدیت کے ہر شر سے ہر فردِ جماعت کو اور جماعت کو محفوظ رکھے۔ ان کا ہر شر اور منصوبہ جو جماعت کے خلاف یہ بناتے رہتے ہیں یا بنا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہی پر الٹائے۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی آل میں شامل فرمائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اصل مقام روحانی آل کا ہے۔ اگر جسمانی رشتہ بھی قائم رہے تو یہ تو ایک انعام ہے۔ لیکن اگر جسمانی آل تو ہو لیکن روحانی آل کا مقام حاصل کرنے کی یہ جسمانی آل اولاد کوشش نہ کرے تو کبھی اُن برکات سے فیضیاب نہیں ہو سکتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے منسلک ہونے سے اللہ تعالیٰ نے دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

پس ہمیں ہر وقت اپنے جائزے لیتے رہنے کی ضرورت ہے۔ جب بھی درود شریف پڑھیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس حد تک اس درود سے فیضیاب ہونے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ کس حد تک زمانے کے امام کی بیعت میں آ کر قرآنِ کریم کی حکومت اپنے سر پر قبول کرنے والے ہیں۔ اللہ کرے کہ بزرگوں کے مقام کے یہ ذکر اور مخالفینِ احمدیت کی ہم پر سختیاں اور ظلم اور بعض حکومتوں کا ہم پر ان ظلموں کا حصہ بننا ہمیں پہلے سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا قرب دلانے والا ہو۔ ہماری قربانیاں سعید فطرت لوگوں کو احمدیت کی آغوش میں لانے والی ہوں اور ہم احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی فتوحات کے نظارے دیکھنے والے ہوں۔

اسرائیل جو کچھ فلسطینیوں کے ساتھ کر رہا ہے اس کا مَیں نے پہلے بھی ذکر کیا، اس کے لئے بھی بہت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ معصوم جانوں کو ہر قسم کے ظلم سے بچائے۔ اسرائیل کے بارے میں اُن کے یہ بیان آ رہے ہیں کہ ہم خوف کی حالت میں نہیں رہ سکتے اس لئے ہم نے فلسطینیوں پر حملہ کیا۔ خود ہی پہلے حملہ کیا، خود ہی اُن کے لوگ مارے، جب انہوں نے جواب دیا تو کہہ دیا یہ ہمارے لئے خوف پیدا کر رہے ہیں۔ یہ عجیب دھونس ہے اور یہ عجیب طریق ہے جو دنیا والے اپنا رہے ہیں، صرف اس لئے، جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا، کہ مسلمانوں کی کوئی اِکائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ان معصوم فلسطینیوں پر بھی رحم کرے اور ان کو ہر قسم کے ظلم سے بچائے۔

❁❁❁

حضرت مصلح موعودؓ کے بچپن کا الہام

حضرت سید سرور شاہ صاحبؓ جو حضرت مسیح موعودؑ کے جلیل القدر صحابی تھے حضرت مصلح موعودؓ کے اساتذہ میں سے تھے بیان فرماتے ہیں۔

حضرت خلیفہ ثانیؓ مجھ سے پڑھا کرتے تھے تو ایک دن میں نے کہا کہ میاں آپ کے والد صاحب کو تو کثرت سے الہام ہوتے ہیں۔ کیا آپ کو بھی الہام ہوتا اور خوابیں وغیرہ آتی ہیں؟ تو میاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب خوابیں تو بہت آتی ہیں اور میں ایک خواب تو تقریباً ہر روز ہی دیکھتا ہوں اور جونہی میں تکیہ پر سر رکھتا ہوں اس وقت سے لیکر صبح کو اُٹھنے تک یہ نظارہ دیکھتا ہوں کہ ایک فوج ہے جس کی میں کمان کر رہا ہوں اور بعض اوقات ایسا دیکھتا ہوں کہ سمندروں سے گزر کر آگے جا کر حریف کا مقابلہ کر رہے ہیں اور کئی بار ایسا ہوا ہے کہ اگر میں نے پار گزرنے کے لئے کوئی چیز نہیں پائی تو سرکنڈے وغیرہ سے کشتی بنا کر اور اس کے ذریعہ پار ہو کر حملہ آور ہو گیا ہوں سرور شاہ صاحبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جس وقت یہ خواب آپ سے سنا اس وقت سے میرے دل میں یہ بات گڑی ہوئی ہے کہ یہ شخص کسی وقت یقینا جماعت کی قیادت کرے گا اور میں نے اسی وجہ سے کلاس میں بیٹھ کر آپ کو پڑھانا چھوڑ دیا۔ آپ کو اپنی کرسی پر بٹھاتا اور خود آپ کی جگہ بیٹھ کر آپ کو پڑھاتا۔ اور میں نے خواب سن کر آپ سے یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ میاں آپ بڑے ہو کر مجھے بھلا نہ دیں اور مجھ پر بھی نظر شفقت رکھیں۔ (سوانح فضل عمر جلد ا)

حضرت مصلح موعودؓ کی مجالس عرفان وحکمت کے چند موتی

(ذیل میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی مجلس عرفان میں پوچھے جانے والے بعض سوالات مع جوابات ہدیہ قارئین ہیں۔)

اُولی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے مراد

ایک دوست نے جو سرحد کے رہنے والے ہیں عرض کیا: خدا کا حکم ہے کہ **اُولی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** یعنی خدا رسول اور **اُولی الْاَمْر** کی اطاعت کرو۔ **اس جگہ اُولی الْاَمْر سے کیا مراد ہے۔**

فرمایا: ہمارے نزدیک **اُولی الْاَمْر** سے مراد حاکم وقت ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب کا ہو۔

پھر فرمایا: اُولی الْاَمْر کی حد بندی کرنا درست نہیں جس جگہ بھی کسی کو امر حاصل ہو وہ اس مقام کے لحاظ سے **اُولی الْاَمْر** کہلا سکتا ہے۔ گھر میں باپ کو امر حاصل ہوتا ہے۔ مدرسہ میں استاد کو۔ دفتر میں افسر کو اور قضاء میں مفتی کو۔ پس اپنے اپنے دائرہ میں ان میں سے ہر ایک کو ہم **اُولی الْاَمْر** کہہ سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ معمار اور ترکھان بھی اپنے اپنے فن میں **اُولی الْاَمْر** ہوتے ہیں۔ اگر ایک کام کے متعلق واقف کار مستری کہے کہ اسے یوں کرنا چاہئے اور ایک ناواقف کہے کہ نہیں اسے یوں کرو تو ایسے موقعوں پر واقف مستری کی بات ہی ماننی چاہئے۔ اگر نہ مانی جائے تو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ غرض اپنی اپنی جگہ ہر وہ شخص **اُولی الْاَمْر** ہوتا ہے جسے کسی چیز پر اقتدار حاصل ہو۔

الزام زنا میں شہادت

ایک صاحب نے **الزام زنا کے متعلق شہادت اور اس کے اثرات وغیرہ کے متعلق استفسار کیا۔** جس کے جواب میں حضور نے فرمایا:۔

دنیا کی سزا اصل میں فتنہ کو روکنے کے لئے ہے۔ وگرنہ اصل سزا مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کا کام ہے۔ اسلام نے دنیا میں سزا صرف اس لئے رکھی ہے کہ فتنہ کا سد باب ہو جائے اور جس جگہ فتنہ مکمل نہ ہو وہاں سزا دینے کا کوئی حق نہیں۔ اگر الزام زنا میں چار گواہ شہادت دے دیں تو خواہ ملزم بے گناہ ہی ہو اسے سزا دے دی جائے گی۔ کئی مقدمات ایسے ہوتے ہیں کہ مجسٹریٹ مجرم سمجھ کر سزا دے دیتا ہے اور سزا دہی کے لئے شہادت بھی کافی ہوتی ہے مگر حقیقت میں سزا پانے والا بے گناہ ہوتا ہے۔ بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک شاہد ہی کافی ہوتا ہے۔ مثلاً مَیں جا رہا ہوں اور مَیں نے دیکھا کہ زید بکر کو مار رہا ہے۔ پس اس کے لئے چار شاہدوں کی ضرورت نہیں۔ مَیں بحیثیت مجسٹریٹ خود اپنی شہادت پر ہی اسے سزا دے سکتا ہوں۔

دراصل وہ جرائم جن میں چار گواہوں کی شہادت اسلام میں قرار دی گئی ہے وہ سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے جرائم ہیں اور ایسے جرائم میں گواہوں کو مجسٹریٹ خود نہیں بلا سکتا جب تک وہ خود بطور مدعی پیش نہ ہوں اور یہ نہ کہیں کہ ہم فلاں بات کے گواہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ فلاں شخص پر مقدمہ چلایا جائے۔ لیکن مقدمہ شروع ہونے کے بعد اگر ان میں سے ایک بھی الزام لگانے سے انکار کر جائے تو باقی تین کو سزا ملے گی جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر پہلا ہی گواہ مکر جائے تو باقی اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اپنی شہادت بند کر دیں اور کہہ دیں کہ ہم اب شہادت دینا نہیں چاہتے۔ لیکن اگر پہلے وہ الزام زنا میں شہادت دے چکے ہوں اور چوتھا مکر جائے تو شہادت دینے والوں کو سزا دی جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی طرح ہوا تھا کہ تین گواہوں کے بعد جب چوتھے کی باری آئی تو اس کی شہادت مشتبہ پائی گئی۔ اس پر شہادت دینے والوں کو سزا دی گئی۔ دراصل شریعت کا منشا یہ ہے کہ ایسی باتوں کی اشاعت نہ کی جائے۔

عرض کیا گیا کہ: **آیا قاضی کو کوئی بات بتانا بھی قذف کا مستحق بناتا ہے یا صرف لوگوں میں اشاعت کرنا۔**

فرمایا: رپورٹ کرنا اور چیز ہے۔ اس کے ماتحت دوسرا مجرم نہیں قرار پا سکتا۔ مگر مقدمہ کے طور پر اگر معاملہ لے جایا جائے اور پھر چار عینی گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کیا جائے تو یہ جرم ہے اور شریعت نے اس کی سزا رکھی ہے۔

عرض کیا گیا کہ: **کیا ایسی شہادت کو دوسروں سے مخفی رکھنے کا حکم ہے؟**

فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے واقعہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو سننے کی اجازت ہے۔ کیونکہ اس موقعہ پر حضرت علیؓ کی موجودگی بھی ثابت ہے۔ چنانچہ آتا ہے انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ چونکہ تینوں گواہ صحابی ہیں اس لئے انہیں سزا نہ دی جائے۔ مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فتویٰ پر ضرور عمل کروں گا۔ بات یہ تھی کہ پہلے تین گواہوں نے تو الزام کی تائید میں گواہی دی۔ مگر چوتھے نے کہا کہ مَیں نے یہ واقعہ دیکھا تو ہے مگر مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی غیر عورت تھی یا اس کی اپنی بیوی تھی۔ اس شہادت نے پہلے تینوں گواہوں کو سزا کا مستحق بنا دیا۔

دنیا کی عمر

ایک صاحب نے عرض کیا **یہ جو کہا جاتا ہے کہ دنیا کی عمر صرف چھ ہزار برس ہے کیا یہ درست قول ہے؟**

فرمایا: یہ عمر تو صرف موجودہ دَور کی بیان کی جاتی ہے۔ ساری دنیا کی عمر تو نہیں۔ اس وقت تک ہزاروں آدم گزر چکے ہیں اگر ہر آدم کا دور چھ ہزار برس ہی تسلیم کر لیا جائے تب بھی دنیا کی تخلیق پر کئی لاکھ برس گزر چکے ہیں۔ حضرت محی الدین صاحب ابن عربی نے لکھا ہے۔ انہیں کشفاً بتایا گیا کہ اس وقت تک 46 ہزار آدم گزر چکے ہیں۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی پیدائش پر لاکھوں برس گزر چکے ہیں۔ پس یہ قطعاً صحیح نہیں کہ صرف چھ ہزار برس سے اس دنیا کی ابتداء ہوئی اور اس سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ آثار قدیمہ کے محققین نے پندرہ، پندرہ ہزار برس پہلے کے نشانات نکالے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خیال کہ دنیا کی عمر کل چھ ہزار برس ہے۔ صحیح نہیں۔

(بشکریہ روزنامہ الفضل 16 جون 1931ء)

چور کی سزا

سوال:۔ شریعت نے چور کی جو یہ سزا تجویز کی ہے کہ اس کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ یہ ہر چور کی سزا ہے یا مشہور اور نامی چور کی؟۔

جواب:۔ میرا یہی خیال ہے ۔ یہ سزا عادی چور کے متعلق ہے۔ یعنی ایسے چور کے لئے جس پر سارق کا لفظ عرف عام میں استعمال کیا جا سکے۔

سوال:۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ چور کی تو یہ سزا رکھی گئی ہے کہ اس کے ہاتھ کاٹے جائیں مگر خائن کو ایسی سزا نہیں دی گئی حالانکہ بعض اوقات خائن چور سے بھی زیادہ نقصان پہنچا دیتا ہے؟

جواب:۔ یہ اس لئے کہ خائن کے متعلق ہمارا اپنا اختیار ہوتا ہے چاہے ہم اس کے پاس اپنا مال امانتاً رکھیں چاہے نہ رکھیں اور جب ایک دفعہ کسی شخص کی خیانت لوگوں پر واضح ہو جائے تو ناممکن ہے کہ کوئی دوسرا اس کے پاس پھر مال بطور امانت رکھے۔ لیکن چور کے متعلق ہمارا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ بغیر ہمارے علم کے آتا اور مال چرا کر لے جاتا ہے پس اس وجہ سے خائن کے لئے وہ سزا تجویز نہیں کی گئی جو چور کے لئے رکھی گئی ہے کیونکہ چور پر ہمارا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ انسان بے بس ہوتا ہے اور لاعلمی میں اس کا مال چرا لیا جاتا ہے۔ لیکن خائن کے متعلق دنیا کو علم ہو جاتا ہے کہ یہ امین نہیں۔ اس لئے جب یہ علم ہو جاتا ہے تو کوئی شخص اس کے پاس امانت رکھنے کے لئے تیار

نہیں ہوتا اور اگر رکھے تو یہ اس کا اپنا قصور ہو گا۔ پس چونکہ ان دونوں میں فرق ہے اس لئے سزا بھی علیحدہ علیحدہ رکھی گئی۔

قیامت کب ہوگی؟

سوال:۔ شریعت نے قیامت کے متعلق اس طرح کا کچھ انکشاف کیا ہے یا نہیں کہ وہ کتنے عرصہ کے بعد ہوگی؟

جواب:۔ حضرت مسیح موعودؑ نے سات ہزار سال کا ایک دور قرار دیا ہے اس کے بعد ایک قیامت آ جاتی ہے لیکن اس قیامت سے مراد تغیر عظیم ہے۔ یعنی اتنے عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا فرماتا ہے۔ اس قیامت میں زمین و آسمان کا قیام ویسے ہی رہتا ہے جیسے اب ہے صرف ایک دور دوسرے دور میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مگر وہ قیامت جسے قیامت کبریٰ کہا جاتا ہے اسے سارے انبیاء قریب کہتے چلے آئے ہیں۔ ممکن ہے وہ اب ہزار سال کے بعد آ جائے اور ممکن ہے اس میں ابھی کافی عرصہ ہو۔

(بشکریہ روزنامہ الفضل 30/مارچ 1931ء)

رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کیلئے دعا کی ممانعت کی وجہ

ایک دوست نے عرض کیا کہ حضور نے کل فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو اپنی والدہ کے متعلق دعا کرنے سے منع فرمادیا۔ آپ کی والدہ تو ظہور اسلام سے قبل ہی انتقال فرما گئی تھیں۔ پھر ان کے لئے دعا کی ممانعت کیوں کی گئی جبکہ ہم ان لوگوں کیلئے دعا مانگ لیتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔

حضور نے فرمایا رسول کریم ﷺ کو اپنی والدہ کے متعلق دعا کرنے سے اس لئے منع کیا گیا کہ اس وقت شرک کی کثرت تھی اور اسی رو میں ساری قوم بہتی جا رہی تھی۔ مگر یہاں تفصیلی دین موجود تھا۔ صرف زمانہ نبوت سے بُعد کی وجہ سے دلوں پر ایک زنگ لگ چکا تھا۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل لوگ ایسے مقام پر کھڑے تھے جو کفر اور ایمان کی سرحد ہوتی ہے جب آپ تشریف لائے تو کچھ لوگ اس طرف گر پڑے۔ اور کچھ اس طرف آ گئے مگر رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل لوگ ایمان اور کفر کی سرحد پر نہیں بلکہ کفر اور شرک کے میدان میں ہی کھڑے تھے۔ اس لئے ان کے متعلق دعائے مغفرت کے کوئی معنے ہی نہیں ہو سکتے۔ البتہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہر چیز کا وزن ہے۔ ممکن ہے ایک شخص ایسا ہو کہ اس کیلئے ہدایت پانے اور سمجھنے کے مواقع زیادہ ہوں۔ مگر ان سے اس نے فائدہ نہ اٹھایا ہو اور اس وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کے حضور زیادہ مجرم ہوں۔ لیکن دوسرا شخص ایسے مقام پر نہ ہو۔ عورتوں کیلئے چونکہ اتنے مواقع نہیں ہوتے کہ ان تک ہدایت کی باتیں پہنچ سکیں۔ اس لئے ممکن ہے اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہو کہ انہیں قلیل عرصہ کی سزا کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے۔ لیکن رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ابھی وہ وقت نہ آیا ہو۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے کہہ دیا ہو کہ ابھی دُعا کا وقت نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ روایات ہی غلط ہوں۔

عرض کیا گیا کہ قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۝ (التوبہ: ۱۴)

پھر رسول کریم ﷺ نے اپنی والدہ کے متعلق دعا کی خواہش ہی کیوں کی۔

حضور نے فرمایا رسول کریم ﷺ کا اپنی والدہ کے متعلق دعا کی خواہش کرنا ہی بتا رہا ہے کہ ان کا شرک ظاہر نہ تھا۔ اگر آپؐ پر ان کے متعلق تبین ہو جاتا۔ تو آپ دعا کی خواہش ہی کیوں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے بیشک آپ کو دعا کرنے سے منع کر دیا۔ مگر ممکن ہے ان کیلئے قلیل سزا مقرر ہو۔ اور پھر خدا نے ان کو چھوڑ دینا ہو۔

علم نجوم

ایک دوست نے عرض کیا کہ ایسٹرالوجی (یعنی علم نجوم) کے متعلق حضور کی کیا رائے ہے کیا یہ درست ہے کہ ستارے انسانوں پر مختلف اثرات ڈالتے ہیں۔ حضور نے فرمایا: یہ درست ہے کہ ستارے مختلف تاثرات رکھتے ہیں اور انسان ان سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ لیکن دنیا میں اثر ڈالنے والی صرف یہی ایک چیز نہیں بلکہ بیسیوں چیزیں انسان پر اثر ڈال رہی ہیں پہلے سمجھا جاتا تھا کہ صرف سورج اور چاند کا دنیا پر اثر پڑتا ہے لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ ستاروں کا بھی باقی دنیا پر اثر ہوتا ہے بلکہ بعض ایسے ستارے ہیں۔ جن کی شعاعیں کئی کرّوں میں سے گزرنے کے بعد زمین پر اثر ڈالتی ہیں۔ علم نجوم کا ماہر ان تاثیرات سے جو نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ وہ ستاروں کے قواعد کلیہ کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ تفصیل بیان کرتا ہے تو اس میں کبھی صحیح بات کہہ دیتا ہے اور کبھی غلط بات کہہ دیتا ہے۔ کیونکہ صرف ستارے ہی انسانوں پر اثر نہیں ڈال رہے بلکہ دنیا میں اور ہزاروں چیزیں ہیں۔ جو انسان پر اثر ڈال رہی ہیں۔ کبھی قانون شریعت کی زد میں انسان آ جاتا ہے کبھی بد صحبت کا اثر اس پر ہو جاتا ہے۔ کبھی امنگوں اور اعلیٰ خواہشات کا فقدان اس پر اثر ڈالتا ہے کبھی گناہوں کی کثرت اس پر اثر ڈالتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ اس پر لعنت ڈالی جائے۔ کبھی صحت کی کمزوری اس پر اثر ڈالتی ہے کبھی زمانہ کے مخفی اثرات سے وہ متاثر ہوتا ہے کبھی اس کا ماحول اس پر اثر ڈالتا ہے۔ غرض بیسیوں چیزیں ہیں جن سے انسان متاثر ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسٹرالوجر تو یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ فلاں ستارہ کے اثر کے ماتحت اسے کوئی انعام ملنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ فیصلہ کر رہا ہوتا ہے کہ اس پر عذاب نازل کیا جائے۔

پس محض کسی ستارہ کی تاثیر کو دیکھ کر انسان کسی دوسرے کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس کی آئندہ زندگی کس طرح گزرے گی۔ کیونکہ بیسیوں حالات ہیں جن میں سے اسے گزرنا پڑتا ہے۔ بیسیوں چیزیں ہیں جو ایک دوسرے کے اثرات کو بدل دیتی ہیں۔ اسی لئے حدیثوں میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا من قال مطرنا بنوء کذا و کذا فذا لك كافر بي مومن بالكوكب کہ جو شخص کہتا ہے کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ وہ میرا کافر ہے کیونکہ ستارہ تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ جب خدا چاہے گا اس کا اثر ڈالنا نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ اور جب خدا نہیں چاہے گا اس کے اثر کو کوئی اور چیز باطل کر دے گی۔ پس دنیا میں صرف ایک چیز ہی اثر نہیں ڈال رہی بلکہ بیسیوں چیزیں اپنا اپنا اثر ڈال رہی ہیں۔ پھر کوئی موافق اثر ہوتا ہے کوئی مخالف اثر ہوتا ہے اور چونکہ ایک ہی وقت میں پچاس ساٹھ یا سو یا ہزار چیزیں اثر ڈال رہی ہوتی ہیں اور ہمیں ان کا کوئی علم نہیں ہوتا کہ وہ کون کونسی ہیں۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں بات صرف فلاں ستارہ کی تاثیر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ درحقیقت کئی چیزیں دنیا پر اکٹھا اثر ڈال رہی ہیں۔ اور اس وجہ سے فعل اسی ہستی کی طرف منسوب ہوگا جس نے اصل فیصلہ صادر کرنا ہے اسی لئے حدیثوں میں یہ کہا گیا ہے کہ من قال مطرنا بفضل الله ورحمته فذالك مومن بي كافر بالكوكب کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی وہ مومن ہیں ومن قال مطرنا بنوء كذا كذا فذالك كافر بي مومن بالكوكب (بخاری ابواب الاستقا) اور جو لوگ کہتے ہیں فلاں فلاں ستارہ کے چکر اور اس کی گردش کے نتیجہ میں بارش ہوئی۔ اور ان چیزوں کو بنیاد قرار دیتے ہیں وہ مشرک ہیں۔ (بحوالہ روزنامہ الفضل قادیان 14 جون 1944 صفحہ 3)

تبرکات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مبلغین احمدیت کے لئے زریں ہدایات

تزکیۂ نفس:

’’سب سے پہلے مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ تزکیۂ نفس کرے۔ صحابہ کی نسبت تاریخوں میں آتا ہے کہ جنگ یرموک میں دس لاکھ عیسائیوں کے مقابل پر ساٹھ ہزار صحابہ تھے۔ قیصر کا داماد اس (عیسائی فوج۔ ناقل) کا کمانڈر تھا۔ اس نے جاسوس بھیجا کہ مسلمانوں کا حال دریافت کرے۔ جاسوس نے آکر بیان کیا کہ مسلمانوں پر کوئی فتح نہیں پاسکتا۔ ہمارے سپاہی لڑ کے آتے ہیں تو کمریں کھول کر ایسے سوتے ہیں کہ انہیں پھر ہوش ہی نہیں رہتی۔ لیکن مسلمان باوجود دن کو لڑنے کے رات کو گھنٹوں کھڑے رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں۔ خدا کے حضور گرتے ہیں۔ یہ وہ بات تھی جس سے صحابہ نے دین کو قائم کیا۔ باوجود اپنے تھکے ماندے ہونے کے بھی اپنے نفس کا خیال رکھا۔

بعض دفعہ انسان اپنے تبلیغ کے فرض میں ایسا منہمک ہوجاتا ہے کہ پھر اسے نمازوں کا بھی خیال نہیں رہتا ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ ہر ایک چیز اپنے اپنے موقع اور محل کے مطابق اور اعتدال کے طور پر ہی ٹھیک ہوا کرتی ہے۔ لوگوں کی بھلائی کرتے ہوئے یہ نہیں ہونا چاہئے کہ انسان اپنی بھلائی سے بے فکر ہوجائے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اپنا تزکیہ نفس کرے۔‘‘

(انوار العلوم جلد 3 صفحہ 289)

مسائل پر غور کی عادت

’’فرمایا کہ جب کوئی اعتراض پیش آوے پہلے خود اس کو حل کرنے کی کوشش کرو فوراً قادیان لکھکر نہ بھیج دو۔ خود سوچنے سے اس کا حل مل جائے گا اور بیسیوں مسائل پر غور ہوجائے گی جواب دینے کا مادہ پیدا ہوگا ہم سے پوچھو گے تو ہم تو جواب بھیج دیں گے لیکن پھر یہ فائدے تمہیں نہیں ملیں گے۔ اس لئے جب اعتراض ہو خود اس کو حل کرو۔‘‘

تبادلہ خیالات

’’جب (اعتراض) حل کر چکو تو پھر تبادلہ خیالات ہونا چاہئے۔ اس سے ایک اور ملکہ پیدا ہوگا جو آپ ہی سوچے اور پھر اپنے سوچ پر ہی بیٹھ جائے اس کا ذہن کند ہوجاتا ہے۔ لیکن تبادلہ خیالات سے ذہن تیز ہوتا ہے ایک بات ایک نے نکالی ہوتی ہے اور ایک دوسرے نے اس طرح پھر سب اکٹھی کر کے ایک مجموعہ ہوجاتا ہے دو مبلغ جہاں ملیں تو لغو باتیں کرنے کی بجائے ان مسائل پر گفتگو کریں۔ خدا تعالیٰ سے تعلق ہو دعا ہو توکل ہو۔‘‘

(انوار العلوم جلد 3 صفحہ 301)

جرأت کا مظاہرہ:

’’دلیری اور جرأت ایسی چیز ہے کہ تمام دنیا میں اکرام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اور مبلغ کے لئے سب سے زیادہ دلیر ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بن کر جاتا ہے۔ اگر مبلغ دلیر نہ ہوگا تو دوسروں میں جو اسے اپنے لئے نمونہ سمجھتے ہیں دلیری کہاں سے آئے گی۔...... پس مبلغ کی جرأت بہت بڑا کام کرتی ہے اور اس کی وجہ سے دوسروں میں بھی جرأت پیدا ہوجاتی ہے...... یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ میرا یہ منشاء نہیں کہ خود بخود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو بلکہ یہ مطلب ہے کہ کسی جگہ کی تبلیغ اس لئے مت ترک کرو کہ وہاں کوئی خطرہ ہے۔ اور نہ میرا یہ منشاء ہے کہ لوگ بیشک تکلیف دیں اس تکلیف کا مقابلہ نہ کرو۔ بیشک قانوناً جہاں ضرورت محسوس ہو اس کا مقابلہ کرو مگر تکلیف اور خطرات تمہیں اپنے کام سے نہ روکیں اور تمہارا حلقہ کار محدود نہ کردیں۔

میں نے اخلاق کے مسئلہ مطالعہ کیا ہے اور دیکھا ہے کہ ستر فیصد گناہ جرأت اور دلیری کے نہ ہونے کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر جرأت ہو تو اس قدر گناہ نہ ہوں۔ پس دلیری اپنے اندر پیدا کرو تا کہ ایک تو خود ان گناہوں سے بچو جو جرأت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے تمہاری کوششوں کے اعلیٰ نتائج پیدا ہوں۔ ہاں اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھو کہ اپنی طرف سے ہر قسم کے فساد یا جھگڑے کے دُور کرنے کی کوشش کرو اور موعظہ حسنہ سے کام لو اس پر بھی اگر کوئی تمہیں دکھ دیتا ہے، مارتا ہے، گالیاں نکالتا ہے یا برا بھلا کہتا ہے تو اس کو برداشت کرو اور ایسے لوگوں کا ایک ذرہ بھر خوف بھی دل میں نہ لاؤ۔

(انوار العلوم جلد ۵ صفحہ 83-581)

خدا کے بندوں کی ہمدردی

’’مبلغ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ جہاں جائے وہاں کے لوگوں پر ثابت کرے کہ وہ ان کا ہمدرد و خیر خواہ ہے۔ جب لوگ اسے اپنا خیر خواہ سمجھیں گے تو اس کی باتوں کو بھی سنیں گے اور ان پر اثر بھی ہوگا۔‘‘

(انوار العلوم جلد 5 صفحہ 583)

جنرل نالج میں دسترس

مبلغ کو جنرل نالج حاصل ہونا چاہئے تا کہ کوئی اسے جاہل نہ سمجھے۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک علم کا عالم ہی ہو لیکن کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور ہونی چاہئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ آپ بیمار کو دیکھنے کے لئے گئے وہاں ایک اور طبیب صاحب بیٹھے تھے۔ آپ نے اہل خانہ سے پوچھا تھرما میٹر لگا کر بیمار کو دیکھا ہے یا نہیں۔ طبیب صاحب نے کہا اگر آپ نے انگریزی دوائیاں استعمال کرنی ہیں تو میں جاتا ہوں مولوی صاحب نے فرمایا تھرما میٹر کوئی دوائی نہیں بلکہ ایک آلہ ہے جس سے بخار کا درجہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کس قدر ہے اس نے کہا کہ آلہ ہو یا کچھ۔ اور ہر ایک انگریزی چیز گرم ہوتی ہے اور بیمار کو پہلے ہی بہت زیادہ گرمی ہے۔ تو اس قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں عام باتوں کا کچھ بھی علم نہیں ہوتا اور مجلسوں میں سخت حقیر سمجھے جاتے ہیں۔

مبلغ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ علمِ مجلس سے واقف ہو اور کسی بات کے متعلق ایسی لاعلمی کا اظہار نہ کرے جو بے وقوفی کی حد تک پہنچی ہوئی ہو۔...... اسی طرح آداب مجلس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً ایک مجلس مشورہ کی ہو رہی ہو اور کوئی بڑا عالم ہو مگر اس مجلس میں جا کر سب کے سامنے لیٹ جائے تو کوئی اس کے علم کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس کی نسبت لوگوں پر بہت برا اثر پڑے گا۔ پس یہ نہایت ضروری علم ہے اور مبلغ کا اس کو جاننا بہت ضروری ہے۔

ہر مبلغ کو چاہئے کہ جغرافیہ، تاریخ، حساب، طب، آداب گفتگو، آداب مجلس وغیرہ علوم کی اتنی واقفیت ضرور رکھتا ہو جتنی مجلسِ شرفاء میں شامل ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہیں تھوڑی سی محنت سے یہ بات حاصل ہوسکتی ہے۔ اس کے لئے ہر علم کی ابتدائی کتابیں پڑھ لینی چاہئیں۔

(انوار العلوم جلد ۵ صفحہ 85-584)

علم غیر محدود سمندر ہے

’’علم کی کوئی حد نہیں ہوتی اور وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا اور روحانی علوم کی تو قطعاً کوئی حد ہے ہی نہیں...... اور جہاں کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ علم ختم ہوگیا ہے وہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ علم کے درخت سے اتر کر جہالت کی طرف آگیا ہے۔

پس کبھی یہ مت خیال کرو کہ ہمارا علم کامل ہوگیا۔ کیونکہ ایک تو یہ جھوٹ ہے۔ کوئی علم ختم نہیں ہوسکتا۔ دوسرے اس سے انسان متکبر ہوجاتا ہے اور اس کے دل پر زنگ لگنا شروع ہوجاتا ہے لیکن اگر انسان ہر وقت اپنے آپ کو طالبعلم سمجھے اور اپنے علم کو بڑھاتا رہے تو اس کے دل پر زنگ نہیں لگتا۔ کیونکہ جس طرح چلتی تلوار کو زنگ نہیں لگتا لیکن اگر اسے یوں ہی رکھ دیا جائے اور اس سے کام نہ لیا جائے تو زنگ لگ جاتا ہے پس ہر وقت اپنا علم بڑھاتے رہنا چاہئے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ علم کبھی ختم نہیں ہوتا۔‘‘

(انوار العلوم جلد صفحہ:573)

❁❁❁

تبدیلی منیجر اخبار بدر قادیان

قارئین بدر کو مطلع کیا جاتا ہے کہ سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے اخبار بدر کے نئے منیجر مکرم حفیظ احمد الہ دین صاحب مقرر ہوئے ہیں۔ دفتری خط و کتابت اور دیگر معاملات برائے اخبار بدر کیلئے موصوف سے رابطہ کریں۔

(موبائل)094640-66686

دفتر:01872-224757

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بیان فرمودہ ایمان افروز واقعات

(مرتبہ: حبیب الرحمن زیروی-ربوہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے نشانات

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میری صداقت کے خداتعالیٰ نے لاکھوں نشانات دکھلائے ہیں یہ بالکل درست ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ آپ کی صداقت کے خداتعالیٰ نے اس قدر نشانات دکھلائے ہیں کہ جن کا شمار بھی نہیں ہوسکتا۔ مگر کن کے لئے؟ انہیں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آپ کی صداقت کے نشانات دیکھنے کے لئے یہاں آئے تو یہ جس قدر بھی عمارتیں سامنے نظر آ رہی ہیں (مسجد اقصیٰ میں کھڑے ہوکر) ان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب آپ کے نشان ہیں۔ پھر احمدیہ بازار سے آگے کے جس قدر مکانات بنے ہیں ان کے لئے جو زمین تیار کی گئی تھی اس میں ڈالا ہوا مٹی کا ایک ایک بورا نشان ہے۔ یہاں اتنا بڑا گڑھا تھا کہ ہاتھی غرق ہو سکتا تھا۔ پھر قادیان سے باہر شمال کی طرف نکل جائیں وہاں جو اونچی اور بلند عمارتیں نظر آئیں گی ان کی ہر ایک اینٹ اور چونے کا ایک ایک ذرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے۔ پھر قادیان میں چلتے پھرتے جس قدر انسان نظر آتے ہیں خواہ وہ ہندو ہیں یا سکھ یا غیر احمدی ہیں یا احمدی سب کے سب آپ ہی کی صداقت کے نشان ہیں۔ احمدی تو اس لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو دیکھ کر اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں کے ہو رہے ہیں اور غیر احمدی اور دوسرے مذاہب والے اس لئے کہ ان کی طرز رہائش لباس وغیرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے پہلے وہ نہ تھے جواب ہیں۔ ان کی پگڑی، ان کا کرتہ، ان کا پاجامہ، ان کی عمارتیں، ان کا مال، ان کی دولت وہ نہ تھی جواَب ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کرنے پر لوگ آپ کے پاس آئے اور ان لوگوں نے بھی فائدہ اٹھا لیا اور لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ کی وجہ سے ان کو بھی نعمت مل گئی۔ تو یہ سب آپ کی صداقت کے نشانات ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں اسی مسجد کی یہ عمارت، یہ لکڑی، یہ کھمبا سب نشان ہیں کیونکہ یہ پہلے نہیں تھے۔ جب حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ کیا تو پھر بنے۔ پس لاکھوں نشانات تو یہاں ہی مل سکتے ہیں۔ پھر سالانہ جلسہ پر جس قدر لوگ آتے ہیں ان میں سے ہر ایک آنے والا ایک نشان ہوتا ہے جو خداتعالیٰ ہر سال ظاہر کرتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کرتا رہے گا۔

تو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے نشانات کا یہ بہت کم اندازہ لگایا ہے کہ وہ لاکھوں ہیں۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ وہ اس قدر ہیں کہ کوئی انسانی طاقت ان کو گن ہی نہیں سکتی صرف خداتعالیٰ ہی کے اندازہ میں آسکتے ہیں۔ لیکن جہاں یہ نشانات ہمارے لئے تقویت ایمان کا موجب ہوتے ہیں وہاں اس آیت کے ماتحت یہ بھی بتاتے ہیں کہ اوّل ہر ایک آنے والا انسان آنکھیں کھول کر دیکھے کہ یہاں کس قدر نشانات ہیں اور پھر وہ خود بھی ایک نشان ہے''۔

(خطبات محمود جلد نمبر 5 صفحہ 357 تا 354)

قادیان کی ترقی۔ عظیم الشان نشان

''ایسے نشان ہزاروں ہیں اور ایسی شہادتیں بے انداز ہیں جن سے یہ قسم ایمان کی پیدا ہوتی ہے۔ ان میں سے اس وقت میں ایک کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور وہ یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ یعنی اور دور دور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے دور دور سے تیرے پاس تحائف لائے جائیں گے اور ایسے ایسے سامان کئے جائیں گے جن سے مہمان نوازی کی جائے گی اور اس کثرت سے لوگ آئیں گے کہ وہ راستے گھس جائیں گے جن راستوں سے وہ آئیں گے۔

یہ ایک عظیم الشان نشان ہے۔ اس عظیم الشان نشان کی خداتعالیٰ نے خبر دی۔ اس حالت کے دیکھنے والے اب بھی زندہ موجود ہیں۔ میری عمر تو چھوٹی تھی لیکن وہ نظارہ ڈھاب بھی یاد ہے جہاں اب مدرسہ ہے وہاں ڈھاب ہوتی تھی اور میلے کے ڈھیر لگے ہوتے تھے اور مدرسہ کی جگہ لوگ دن کو نہیں جایا کرتے تھے کہ یہ آسیب زدہ جگہ ہے۔ اول تو کوئی وہاں جاتا نہیں تھا اور جو جاتا بھی تو اکیلا کوئی نہ جاتا بلکہ دو تین مل کر جاتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے۔ جن چڑھتا یا نہیں۔ بہرحال یہ ویران جگہ تھی اور یہ ظاہر ہے کہ ویران جگہوں کے متعلق ہی لوگوں کا خیال ایسا ہوتا ہے کہ وہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے۔ پھر یہ میرے تجربے سے تو باہر تھا لیکن بہت سے آدمی بیان کرتے ہیں کہ قادیان کی یہ حالت تھی کہ دو تین روپے کا آٹا بھی یہاں سے نہیں ملتا تھا۔ آخر گاؤں تھا زمیندار طرز کی رہائش تھی اپنی اپنی ضرورت کے لئے لوگ خود ہی پیس لیا کرتے تھے۔ یہ تو ہمیں بھی یاد ہے کہ ہمیں جب کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی آدمی کو لاہور یا امرتسر بھیجا کرتے تھے۔ پھر آدمیوں کا یہ حال تھا کہ کوئی ادھر آتا نہ تھا۔ برات وغیرہ پر کوئی مہمان اس گاؤں میں آ جائے تو آ جائے لیکن عام طور پر کوئی آتا جاتا نہ تھا۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہیں کہ میں چھوٹا تھا حضرت صاحب مجھے بھی ساتھ لے جاتے مجھے یاد ہے برسات کا موسم تھا ایک چھوٹے سے گڑھے میں پانی کھڑا تھا میں پھلانگ نہ سکا تو مجھے خود اٹھا کے آگے کیا گیا۔ پھر کبھی شیخ حامد علی صاحب اور کبھی حضرت صاحب خود مجھے اٹھا لیتے۔ اس وقت نہ تو مہمان تھا اور نہ یہ مکان تھے کوئی ترقی نہ تھی مگر ایک رنگ میں یہ بھی ترقی کا زمانہ تھا کیونکہ اس وقت حافظ حامد علی صاحب آچکے تھے۔ اس سے بھی پہلے جب کہ قادیان میں کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کوئی شخص نہ جانتا تھا خداتعالیٰ نے یہ وعدہ کیا کہ تیرے پاس دور دور سے لوگ آئیں گے اور دور دور سے تحائف لائے جائیں گے۔ اس وقت کی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے خداتعالیٰ کے اس وعدہ کو ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ اے وہ شخص جس کو کہ اس کے محلے کے لوگ بھی نہیں جانتے، جس کو اس کے شہر سے باہر دوسرے شہروں کے انسان نہیں جانتے، جس کی گمنامی کی حالت سے لوگوں کو یہی خیال تھا کہ مرزا غلام قادر صاحب ہی اپنے باپ کے بیٹے ہیں میں تجھ جیسے کو عزت دوں گا، دنیا میں مشہور کروں گا، عزت چل کر پاس آئے گی۔ میں نے حضرت مسیح موعودؑ سے خود سنا آپ فرماتے تھے کہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو کافر بھی رحمت ہوتے ہیں۔ اگر ابوجہل نہ ہوتا تو اتنا قرآن کہاں اترتا۔ اگر سارے حضرت ابوبکرؓ ہی ہوتے تو صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی نازل ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہوجاتے ہیں ان کو ہر چیز میں بھلائی نظر آتی ہے۔ ایک دفعہ لاہور میں ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو زور سے دھکا دیکر گرا دیا۔ دوسرے دوست ناراض ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے مجھے جھوٹا سمجھ کر دھکا دیا ہے۔ اگر وہ سچا سمجھتا تو کیوں ایسا کرتا۔ اس نے تو اپنے خیال میں نیک کام کیا اور حق کی حمایت کی ہے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 اکتوبر 1926ء خطبات محمود جلد نمبر 10 صفحہ 247)

جماعتی ترقیات کی پیشگوئی

''1905ء میں جب زلزلہ آیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ عرصہ کے لئے باغ میں تشریف لے گئے تو مجھے خوب یاد ہے ایک دن آپ باہر سے آئے تو

اللہ تعالیٰ کی بڑی حمد وثنا کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے حضرت اماں جان کو بلایا اور فرمایا یہ گٹھڑی لے لو اور دیکھو اس میں کتنی رقم ہے۔ حضرت ام المومنین نے کمرہ سے باہر نکل کر بتایا کہ اس کپڑے میں چار سو یا پانچ سو کی رقم ہے۔ آپ نے فرمایا آج ہی لنگر والے آٹے کے لئے روپیہ مانگ رہے تھے اور میرے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا اور میں حیران تھا کہ اس کا کیا انتظام ہوگا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غریب آدمی جس نے میلے سے کپڑے پہنے ہوئے تھے آیا اور اس نے یہ گٹھڑی مجھے دے دی۔ مَیں نے سمجھا کہ اس میں پیسے ہی ہوں گے لیکن اب معلوم ہوا کہ روپے تھے۔ اس پر آپ دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے رہے کہ اس نے کیا فضل نازل فرمایا ہے۔ بیشک اِس وقت ہماری نگاہ میں چار سو روپیہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا لیکن اُس وقت ہم ان چیزوں کو دیکھتے تو ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا اور اب ہمیں اس سے سینکڑوں گنا زیادہ روپیہ ملتا ہے اور وہ روپیہ ہمارے ایمانوں کو بڑھاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے مجھے اپنی عمر میں بعض غیر احمدیوں نے دو دو تین تین چار چار ہزار روپیہ نذرانہ کے طور پر دیا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ آپ کو چار سو روپیہ ملا تو سمجھا کہ شائد اس میں پیسے ہی ہوں گے ورنہ اتنا روپیہ کون دے سکتا ہے۔ آج اگر وہی زمانہ ہوتا تو وہ لوگ جو اس وقت افسوس کر رہے ہیں ان کو بھی قربانی کا موقع مل جاتا اور ہر شخص قربانی کرکے سمجھتا کہ مجھے خدا نے حضرت مسیح موعود کی خدمت کا موقعہ عطا فرما کر مجھ پر احسان فرمایا ہے۔ لیکن وہ زمانہ تو گزر گیا۔

اب پھر ایک دوسرا زمانہ آگیا ہے جس میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے دین کی خدمت کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کر رہا ہے۔ پھر یہ بجٹ پدم پر پہنچ جائے گا۔ کیونکہ دنیا کی ساری دولت احمدیت کے قدموں میں جمع ہو جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ مجھے فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا۔ مجھے یہ فکر ہے کہ اس روپیہ کو دیانت داری کے ساتھ خرچ کرنے والے کہاں سے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصیت کا نظام جاری فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی برکت رکھ دی کہ باوجود اس کے کہ انجمن کے کام ایسے ہیں جو دلوں میں جوش پیدا کرنے والے نہیں پھر بھی صدر انجمن کا بجٹ تحریک جدید سے ہمیشہ بڑھا رہتا ہے۔ کیونکہ وصیت ان کے پاس ہے''۔

(الفضل 16 رفتح 1333 ہش صفحہ 4)

جماعت احمدیہ کے غلبہ کی پیشگوئی

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مجھے خدا نے بتایا ہے کہ تین سَو سال کے عرصہ میں ہماری جماعت ترقی کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچ جائے گی کہ دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آجائے گی اور وہ اقوام جو احمدیت میں شامل نہیں ہوں گی وہ ایسی ہی بے حیثیت رہ جائیں گی جیسے اچھوت اقوام اِس وقت بے دست و پا اور حقیر ہیں۔ اگر ایٹم بم اور اسی قسم کی ایجادوں نے دنیا کو پندرہ بیس سال میں تباہ کر دینا ہے تو یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوسکتی اور اگر اس پیشگوئی نے پورا ہونا ہے تو سائنسدانوں کے تمام خیالات غلط ثابت ہوں گے اور خدا کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا کر دے گا جس کے نتیجہ میں جس طرح ان کی امیدیں غلط ہوتی ہیں اسی طرح ان کے خطرے بھی غلط ثابت ہوں گے۔ دنیا نے ابھی قائم رہنا ہے اور دنیا میں پھر اسلام نے سر اُٹھانا ہے۔ عیسائیت نے سر اُٹھایا اور ایک لمبے عرصہ تک اس نے حکومت کی مگر اب عیسائیت کی حکومت اور اس کے غلبہ کا خاتمہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ عیسائیت کے خاتمہ کے ساتھ ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے تا وہ کہہ سکیں کہ دنیا پر جو آخری جھنڈا لہرایا وہ عیسائیت کا تھا مگر ہمارا خدا اِس امر کو برداشت نہیں کرسکتا۔ ہمارا خدا یہ پسند نہیں کرتا کہ دنیا پر آخری جھنڈا عیسائیت کا لہرایا جائے۔ دنیا میں آخری جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گاڑا جائے گا اور یقیناً یہ دنیا تباہ نہیں ہوگی جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا ساری دنیا پر اپنی پوری شان کے ساتھ نہیں لہرائے گا۔ انہوں نے اپنی کوششوں اور تدبیروں کے ساتھ موت کے ذریعہ کو معلوم کر لیا ہے مگر اسلام کو قائم کرنے والا وہ خدا ہے جس کے ہاتھ میں موت بھی ہے اور حیات بھی ہے۔ یہ موت کے ذریعہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا پر حاکم ہو گئے ہیں حالانکہ اصل حاکم وہ ہے جس کے قبضہ میں موت اور حیات دونوں ہیں۔ اگر یہ ساری دنیا کو مار بھی دیں گے تب بھی وہ خدا جس کے قبضہ میں حیات ہے اسی طرح اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کر دے گا جس طرح آدمؑ کے ذریعہ اُس نے نسل انسانی کو قائم کیا۔

بہرحال دنیا پر قیامت کا دن نہیں آسکتا جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا ساری دنیا پر نہیں لہرایا جاتا۔ مگر یہ تو خدا کی باتیں ہیں اور خدا اپنی باتوں کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہم پر جو فرض عائد ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ ہم اپنی زندگیوں اور اپنی جانوں کو خدا کے لئے قربان کر دیں اور اپنے نفوس کو ہمیشہ اس کی اطاعت کے لئے تیار رکھیں تا کہ اس کا فضل اور اس کی رحمت اور اس کی برکت ہم پر نازل ہو اور ہم اس کے حقیر ہتھیار بن کر دنیا میں عظیم الشان نتیجہ پیدا کرنے کا موجب بن جائیں۔

پس ہمارا ذہن اور ہماری ذمہ داری ہمیں اِس طرف بلاتی ہے کہ باوجود اس کے وعدوں کے ہم اپنی کمزوریوں اور اپنی بے بسیوں کو دیکھتے ہوئے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جائیں اور اُسی سے التجا کریں کہ اے ہمارے ربّ! اے ہمارے ربّ! تو نے ہمیں ایک کام کے لئے کھڑا کیا ہے جس کے کرنے کی کروڑواں اور اربواں حصہ بھی ہم میں طاقت نہیں۔ اے ہمارے ربّ! تو نے اپنے رسول کے ذریعہ ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اگر تم اپنے غلام سے کوئی ایسا کام لو جو اُس کی طاقت سے باہر ہو تو تم خود اس کے ساتھ مل کر کام کرو ورنہ اُس سے ایسا کام نہ لو جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ اے ہمارے ربّ! تو نے جب اپنے بندوں کو جن کی طاقتیں محدود ہیں یہ حکم دیا ہے کہ کسی کے سپرد کوئی ایسا کام نہ کرو جو اُس کی طاقت سے بالا ہو تو اے ہمارے ربّ! تیری شان اور تیرے فضل اور تیری رحمت سے ہم کب یہ امید کر سکتے ہیں کہ تو ایک ایسا کام ہمارے سپرد کر دے گا جو ہماری طاقت سے بالا ہوگا لیکن خود ہماری مدد کے لئے آسمان سے نہیں اُترے گا۔ یقیناً اُترے گا اور ہماری مدد کرے گا۔ اور ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو ہماری کمزور حالت کو دیکھتے ہوئے اپنے فضلوں کو بڑھاتا جا، اپنی رحمتوں کو بڑھاتا جا، اپنی برکتوں کو بڑھاتا جا یہاں تک کہ ہماری ساری کمزوریوں کو تیرے فضل ڈھانپ لیں''۔

(انوار العلوم جلد 18 صفحہ 518-519)

یہ خلافت کی ہی برکت ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ خلافت کی ہی برکت ہے کہ تبلیغ اسلام کا وہ کام جو اس وقت دنیا میں اور کوئی جماعت نہیں کر رہی، صرف جماعت احمدیہ کر رہی ہے۔ مصر کا ایک اخبار ''الفتح'' ہے وہ ہماری جماعت کا سخت مخالف ہے۔ مگر اس نے ایک دفعہ لکھا کہ جماعت احمدیہ کو بے شک ہم اسلام کا دشمن خیال کرتے ہیں لیکن اس وقت وہ تبلیغ اسلام کا جو کام کر رہی ہے گزشتہ تیرہ سو سال میں وہ کام بڑے بڑے اسلامی بادشاہوں کو بھی کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ جماعت کا یہ کارنامہ محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اور تمہارے ایمانوں کی وجہ سے ہے۔ آپ کی پیشگوئیاں تھیں اور تمہارا ایمان تھا۔ جب یہ دونوں مل گئے تو خدا تعالیٰ کی برکتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جماعت نے وہ کام کیا جس کی توفیق مخالف ترین اخبار الفتح کے قول کے مطابق کسی بڑے سے بڑے اسلامی بادشاہ کو بھی آج تک نہیں مل سکی۔ اب تم روزانہ پڑھتے ہو کہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم اَور بھی ترقی کرو گے۔''

(روزنامہ الفضل 24 اپریل 1957ء
صفحہ 5 کالم 1-2)

❁❁❁

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی ملّی خدمات

عرب ممالک میں استعماری قوتوں کا اثر روکنے کی کوشش صوبہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی حفاظت کے لئے کاوشیں

(ڈاکٹر مرزا سلطان احمد۔ ربوہ، پاکستان)

محترم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب ربوہ کا تفصیلی مضمون حضرت مصلح موعودؓ کی ملی خدمات اخبار الفضل انٹرنیشنل ۱۵ فروری ۲۰۱۰ میں شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد حصص قارئین بدر کیلئے پیش ہیں۔ (مدیر)

حضرت مصلح موعودؓ کی ملی خدمات کا دائرہ بہت پھیلا ہوا ہے۔ ان کا تعلق ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کے لئے جدو جہد سے بھی ہے، مسلمان ممالک کو غیروں کے تسلط سے بچانے سے بھی ہے، مسلمان ممالک کے قدرتی وسائل کی حفاظت سے بھی ہے، جنگِ عظیم کے دوران ان کی راہنمائی سے بھی ہے تا کہ وہ غیروں کے ہاتھوں میں آلہ کار نہ بنیں، عراق سے بھی ہے اور ترکی کے حقوق سے بھی ہے، انڈونیشیا اور فلسطینیوں کی جدوجہدِ آزادی سے بھی ہے۔ ہم نے ان میں سے کچھ ملّی خدمات کا ذکر اس مضمون میں کیا ہے۔

ایک قائد اور حقیقی خیر خواہ کسی قوم کی سب سے بڑی خدمت یہ کر سکتا ہے کہ وہ ان معاملات پر گہری نظر رکھے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کا صحیح اور حقیقت پسندانہ تجزیہ قوم کے سامنے پیش کرے اور پھر ان کی راہنمائی کرے کہ ان حالات میں انہیں کیا کرنا چاہئے، انہیں کیا خطرات پیش آ سکتے ہیں اور ان کے سدِ باب کے لئے انہیں کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔ ایک حقیقی ناصح تو وہی ہے جو کہ اس وقت حالات کا صحیح تجزیہ کرے جب کہ اکثر حقائق پردہ اخفاء میں ہوں یا ابھی تمام نتائج سامنے نہ آئے ہوں۔ اور پھر وہ اس تجزیہ کی روشنی میں قوم کی صحیح راہنمائی کرے۔

مندرجہ بالا معاملات میں، جن کے بارہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے راہنمائی فرمائی تھی، ان کے بارے میں بہت سے حقائق جو کہ اس وقت لوگوں کے علم میں نہیں تھے اب منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اور بہت سے اقدامات جو اس وقت کئے گئے تھے ان کے نتائج بھی دنیا نے دیکھ لئے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص غیر جانبدار ہو کر تحقیق کرنے بیٹھے گا تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ صحیح اور بروقت راہنمائی وہی تھی جو اس وقت حضرت مصلح موعودؓ نے فرمائی تھی۔ اگر اس وقت اس راہنمائی پر عمل کیا گیا تو اس کا فائدہ اُٹھایا گیا۔ اگر ان پر عمل نہیں کیا گیا تو اس کا نقصان اُٹھانا پڑا۔ اور جہاں تک عملی خدمت کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضورؓ کی قیادت میں جماعتِ احمدیہ سب سے پیش پیش رہی۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ذہانت کوئی عام دنیاوی ذہانت نہیں تھی۔ آپ کی پیدائش سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دے دی تھی کہ پیدا ہونے والا موعود بیٹا سخت ذکی اور فہیم ہوگا۔ اور دنیاوی معاملات میں بھی دنیا نے اس اعجازی ذہانت کے نظارے دیکھے۔ اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے بارہ میں اللہ تعالیٰ آپ کی اس طرح راہنمائی فرماتا تھا کہ آپ اس وقت صحیح نتائج پر پہنچ جاتے تھے جب کہ دنیا کے ذہین ترین افراد بھی ان پر پہنچنے سے قاصر ہوتے تھے۔ ہم تاریخ کے چند واقعات کا اس زاویہ سے جائزہ لیں گے۔

عرب ممالک میں استعماری قوتوں کا اثر روکنے کی کوشش

پہلی جنگ عظیم کے دور میں بلکہ اب تک استعماری قوتوں کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مختلف سربراہانِ مملکت کو اور مختلف مملکتوں کو مالی مدد دی جاتی ہے اور ان سے اپنی باتیں منوائی جاتیں اور اس طرح اپنے مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس عمل سے ان غریب ممالک اور ریاستوں کی آزادی متاثر ہوتی ہے اور ان کے مفادات پر منفی اثر پڑتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ اس وقت اور زیادہ نازک ہو جاتا ہے جب اس مالی مدد کے ذریعہ وہ ان ممالک میں اپنا اثر پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔

جہاں پر مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں یا یہ ممالک مقاماتِ مقدسہ کے قریب واقعہ ہوں۔ لارڈ چیمسفورڈ جب وائسرائے تھے (وہ 1916ء سے 1921ء تک وائسرائے رہے) یہ خبریں پھیلنی شروع ہوئیں کہ انگریز حکومت عرب رؤساء کو بھاری رقوم دے کر اپنے مفادات حاصل کر رہی ہے تو ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ اور ملک میں شور پڑ گیا۔ وائسرائے نے بیان دیا کہ ہم عرب رؤساء کو رقوم نہیں دے رہے اور مسلمان مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ لیکن حضرت مصلح موعودؓ کی خداداد فراست ہر معاملہ کا مکمل طور پر جائزہ لیتی تھی۔ اس وقت حقائق پوری طرح منظرِ عام پر تو نہیں آئے تھے لیکن آپ نے اپنے طور پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ گو ہندوستان کی حکومت تو عرب رؤساء کو مدد نہیں دے رہی تھی لیکن انگلستان کی حکومت عرب رؤساء کو وظیفہ دے رہی تھی۔ ان میں اس وقت نجد کے سعودی حکمران عبدالعزیز اور شریف مکہ کو حکومتِ برطانیہ رقوم مہیا کر رہی تھی۔ حضور نے اس پر لارڈ چیمسفورڈ کو خط لکھا کہ گو لفظی طور پر آپ کا اعلان صحیح ہے لیکن حقیقت میں یہ بات صحیح نہیں ہے اور ابنِ سعود اور شریف حسین (اس وقت شریف حسین حجاز پر حاکم تھے) کو مدد مل رہی ہے اور مسلمان عرب پر انگریز کا تسلّط کسی قیمت پر پسند نہیں کر سکتے۔ حضرت مصلح موعودؓ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج سے کئی سال پہلے جب لارڈ چیمسفورڈ ہندوستان کے وائسرائے تھے مسلمانوں میں شور پیدا ہوا کہ انگریز بعض عرب رؤساء کو مالی مدد دے کر انہیں اپنے زیرِ اثر لانا چاہتے ہیں۔ یہ شور جب زیادہ بلند ہوا تو حکومتِ ہند کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ ہم عرب رؤساء کو کوئی مالی مدد نہیں دیتے۔ مسلمان اس پر خوش ہو گئے کہ چلو خبر کی تردید ہو گئی۔ لیکن میں نے واقعات کی تحقیقات کی تو مجھے معلوم ہوا کہ گو ہندوستان کی حکومت بعض عرب رؤساء کو مالی مدد نہیں دیتی مگر حکومتِ برطانیہ اس قسم کی مدد ضرور دیتی ہے۔ چنانچہ ساٹھ ہزار پونڈ ابنِ سعود کو ملا کرتے تھے اور کچھ رقم شریف حسین کو ملتی تھی۔ جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے لارڈ چیمسفورڈ کو لکھا کہ گو لفظی طور پر آپ کا اعلان صحیح ہے مگر حقیقی طور پر صحیح نہیں۔ کیونکہ حکومتِ برطانیہ کی طرف سے ابنِ سعود اور شریف حسین کو اس قدر مالی مدد ملتی ہے۔ اور اس میں ذرہ بھر بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمان عرب پر انگریزی حکومت کا تسلط کسی رنگ میں بھی پسند نہیں کر سکتے۔ ان کے جواب میں مجھے خط آیا (وہ بہت ہی شریف طبیعت رکھتے تھے) کہ یہ واقعہ صحیح ہے مگر اس کا کیا فائدہ کہ اس قسم کا اعلان کر کے فساد پھیلایا جائے۔ ہاں ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ حکومتِ انگریزی کا یہ ہرگز منشاء نہیں کہ عرب کو اپنے زیرِ اثر لائے۔'' (خطباتِ محمود جلد 16 صفحہ 549)

اب اتنی دہائیاں گزرنے کے بعد جب کہ تمام حقائق منظرِ عام پر آ چکے ہیں، ان حقائق کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔

1915ء میں سعودی فرمانروا عبدالعزیز کی ملاقات سلطنتِ برطانیہ کے نمائندہ Percy Cox سے ہوئی۔ اس وقت عبدالعزیز نجد کے حکمران تھے اور حجاز میں جہاں پر مکّہ اور مدینہ منورہ واقعہ ہیں شریف مکہ کی حکومت تھی۔ اور اس کے نتیجہ میں ایک معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے نجد کی ریاست کو سلطنتِ برطانیہ کے ماتحت Protectoroate بنا دیا گیا۔ اور یہ طے ہوا کہ عبدالعزیز ابنِ سعود کی حکومت کسی بیرونی حکومت سے براہِ راست رابطہ نہیں کرے گی۔ کسی ایسے شخص کو ولی عہد نہیں مقرر کیا جائے گا جو سلطنتِ برطانیہ کے خلاف جذبات رکھتا ہو۔ اور کسی اور ملک کو اس ریاست میں مراعات نہیں دی جائیں گی۔ اور اگر عبدالعزیز

کو جنگ درپیش ہوئی تو سلطنتِ برطانیہ جس طرح مناسب سمجھے گی ان کی مدد کرے گی۔ اور اس کے بدلہ میں عبدالعزیز ابن سعود نے یہ مراعات حاصل کیں کہ انہیں ترکی کی پکڑی گئیں 300 پرانی بندوقیں دیں اور دس ہزار روپے کی مدد دی۔ اور 1916ء میں مزید ایک ہزار بندوقیں اور بیس ہزار پاؤنڈ دیئے گئے۔ اور پانچ ہزار پاؤنڈ ماہانہ یعنی ساٹھ ہزار پاؤنڈ سالانہ کا وظیفہ ملنا شروع ہوا اور یہ وظیفہ 1924ء تک جاری رہا اور برطانیہ کی سلطنت کی مدد سے انہوں نے رشید خاندان کو شکست دی جو کہ سلطنتِ عثمانیہ کے مدد یافتہ تھے اور رشید خاندان کی حکومت ختم کر دی گئی۔

اسی طرح شریف حسین ابن علی کو جو حجاز کے حکمران تھے سعودی خاندان سے زیادہ مالی مدد دی جاتی تھی۔ اور انہیں اس طرح تیار کیا گیا کہ وہ برطانیہ کی مدد کے ساتھ سلطنتِ عثمانیہ سے ٹکر لیں۔ تاریخ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس مالی مدد کے نتیجہ میں ان ریاستوں کی مکمل آزادی بری طرح متاثر ہوئی اور اس کے ذریعہ سے مختلف مسلمان ریاستوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ یا ان عرب ریاستوں کو آپس میں لڑایا گیا۔ اور یوں اس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے صرف حکومت کی تردید پر اعتبار نہیں کیا بلکہ اس کے نقصانات کا بروقت احساس کر کے اس کے خلاف آواز اُٹھائی۔ جبکہ دوسرے مسلمان قائدین اس مالی مدد کے مضمرات کا صحیح اندازہ بھی نہیں لگا سکے تھے۔

(The Kingdom under Abdul Aziz ibn Saud) Wikipedia by Robert Lacey,p124)

بعد میں خود شاہ عبدالعزیز نے اعتراف کیا کہ انگریز مسلسل میرے اردگرد جال بنتے رہتے ہیں۔ جب وہ کوئی چیز مجھ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اسے حاصل کر لیتے ہیں لیکن جب مجھے کوئی چیز لینی ہوتی ہے تو مجھے اس کے لئے بھیک مانگنی پڑتی ہے۔

(The Kingdom,by Robert Lacey,p137)

حضرت مصلح موعودؓ کی نصیحت کہ سعودی خاندان تیل کی کمپنیوں سے معاہدے کرتے ہوئے احتیاط کرے

پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے درمیان رفتہ رفتہ دنیا میں ایندھن کے لئے کوئلے کی بجائے تیل کی مصنوعات کا استعمال بڑھتا گیا اور اس کے ساتھ ہی تیل کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ قبل اس کے کہ سعودی عرب میں تیل کے ذخائر دریافت ہوتے، دوسرے اسلامی ممالک میں تیل کے ذخائر دریافت ہو چکے تھے۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کے پاس نہ تو سائنسی علم تھا کہ وہ اس نعمت سے فائدہ اُٹھا سکتے اور نہ ہی ان کی سیاسی قیادت اتنی بیدار مغز تھی کہ ایسے معاہدے کر پاتی کہ ان کے ممالک کو تیل کی دولت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔

ایران میں تیل دریافت ہوا تو ان ذخائر سے Anglo-PersianCompany تیل نکال رہی تھی اس کے پچاس فیصد سے زیادہ حصص کی مالک برطانیہ کی حکومت تھی۔

عراق میں جو تیل دریافت ہوا تو اس Iraq Petrolium Company سے تیل نکال رہی تھی۔ یہ کمپنی بہت سی کمپنیوں کی مشترکہ ملکیت تھی۔ اس کے اکثر حصص برطانوی کمپنیوں کے پاس تھے اور باقی حصص کی مالک امریکی اور ڈچ کمپنیاں تھیں۔

بحرین میں تیل ڈھونڈنے کا ٹھیکہ بھی امریکی کمپنی کو دیا گیا جس نے بحرین میں تیل ڈھونڈنے کے لئے Bapco کے نام سے کمپنی بنائی۔ معاہدہ 1930ء میں ہوا اور 1932ء میں بحرین میں تیل کا پہلا کامیاب کنواں کھودا گیا۔ اور یہاں پر بھی تیل دریافت ہوا۔

سعودی عرب یعنی نجد اور حجاز کا علاقہ ایسا تھا جس کے متعلق ماہرین کا خیال تھا کہ یہاں پر تیل نکلنے کے امکانات بہت زیادہ ہیں لیکن یہ ایسا علاقہ تھا جس سے مغربی اقوام کے لوگ سب سے کم واقف تھے اور یہاں تک رسائی بھی ان کے لئے نسبتاً زیادہ مشکل تھی۔ سعودی فرمانروا عبدالعزیز ابن سعود سے سب سے پہلے اس مقصد کے لئے رابطہ نیوزی لینڈ کے ایک شخص میجر فرینک ہولمس (Frank Holmes) نے 1922ء میں کیا تھا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ لندن میں بہت سے سرمایہ داروں نے مل کر ایک Eastern and General Syndicate بنایا تھا تا کہ عرب اور خلیج کے علاقوں میں منفعت بخش پراجیکٹ شروع کئے جا سکیں تو انہوں نے ان صاحب کو بحرین میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا۔ اور بعد میں ان صاحب نے بحرین میں تیل کی تلاش کے لئے معاہدوں کی تکمیل کے لئے کلیدی کردار ادا کیا۔ 1922ء میں انہوں نے سعودی فرمانروا سے معاہدہ کر لیا جس کی رو سے سعودی فرمانروا کو سالانہ کچھ رقم ادا کی جائے گی اور ان کی کمپنی مشرقی صوبہ میں تیل کی تلاش کرے گی۔ بلجیم کے ماہرین یہاں پہنچے اور کچھ سال تیل کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہاں پر بنیادی سہولیات کا مکمل فقدان تھا اور اس تلاش میں کامیابی نہیں ہوئی اور کمپنی مسلسل سالانہ رقم ادا نہ کر سکی اور یہ معاہدہ ختم ہو گیا۔ لیکن جب بحرین کا تجربہ کامیاب ہوا تو ماہرین کو یقین ہو گیا کہ سعودی عرب میں بھی کامیابی کے قوی امکانات موجود ہیں۔ چنانچہ ازسرنو سعودی فرمانروا اور تیل کی کمپنیوں کے درمیان مذاکرات شروع ہوئے۔ اس بار امریکہ کی کمپنی Standard Oil of Californi اور دوسری کمپنی IPC میدان میں تھی۔ اس کمپنی کے زیادہ تر حصص کی مالک برطانوی کمپنیاں تھیں۔ اس مرحلہ پر سعودی فرمانروا کو رقم کی سخت ضرورت تھی۔ 1929ء کے بعد پوری دنیا کی مالی حالت دگرگوں تھی۔ اور اس کی وجہ سے حج کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد نصف سے بھی بہت کم ہو کر 40,000 سے بھی کم ہو گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی سعودی فرمانروا سخت مالی مشکلات میں پھنس گئے تھے۔ انہوں نے ایک دوست کے سامنے اظہار کیا کہ اگر کوئی اس وقت انہیں دس لاکھ پونڈ دے دے تو وہ اپنے ملک میں اسے تمام Concessions دینے کو تیار ہیں۔

(The Kingdom,by Robert Lacey,p229)

بہر حال 1933ء میں کئی مہینے یہ مذاکرات چلے۔ شروع ہی سے امریکن گروپ کا پلّہ بھاری تھا۔ برطانوی گروہ زیادہ پر امید نہیں تھا کہ یہاں پر تیل کے وسیع ذخائر مل سکتے ہیں۔ ایک مرحلے پر تو خود برطانوی نمائندے نے بھی دھیمے انداز میں انہیں مشورہ دیا کہ وہ امریکی کمپنی کی پیشکش قبول کر لیں۔ سعودی فرمانروا کے ساتھ ایک انگریز فلبی (Philby) نام کے بھی تھے۔ وہ شروع میں برطانوی حکومت کے نمائندے بن کر آئے اور پھر برطانوی حکومت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور پھر اسلام قبول کر کے وہیں پر رہنے لگے۔ انہیں سعودی فرمانروا عبدالعزیز ابن سعود کا اعتماد بھی حاصل تھا۔ وہ ان مذاکرات کے دوران سعودی فرمانروا کے لئے زیادہ مراعات کے لئے بھی کوشش کرتے۔ اور اس کے ساتھ وہ امریکی کمپنی سے 1000 ڈالر ماہوار کا وظیفہ بھی لیتے تا کہ ان کے مفادات کے لئے کام کریں اور انہیں مکّہ میں ہونے والی میٹنگوں کی تفصیلات بھی مہیا کرتے رہتے کہ ان کی درخواست پر کیا کیا فیصلے ہو رہے ہیں۔ بالآخر مئی 1933ء میں یہ شرائط طے ہو گئیں۔

ان شرائط کو طے کرتے ہوئے سعودی حکومت کا زیادہ تر زور بھی اس بات پر تھا کہ کسی طرح اس کمپنی سے کچھ قرض مل جائے جو کہ بعد میں نکلنے والے تیل کی Royalty سے منہا کر لیا جائے۔ آخر معاہدہ ہوا کہ یہ کمپنی سعودی عرب کے مشرقی صوبہ میں تیل ڈھونڈے گی اور اس کے بدلے سعودی عرب کو پہلی قسط کے طور پر تیس ہزار سونے کے پاؤنڈ کا قرض ملے گا اور پھر اٹھارہ ماہ کے بعد مزید بیس ہزار پاؤنڈ کا قرض ملے گا۔ ہر سال پانچ ہزار پاؤنڈ ملیں گے۔ پہلے سال کی Royalty اور پہلا قرضہ تو سونے کے پاؤنڈ کی صورت میں ہوگا لیکن دوسرا قرضہ اور بعد کی سالانہ ادائیگی

دوسری کرنسیوں میں ہوگی جس کا فیصلہ کمپنی کی صوابدید پر ہوگا۔اور تیل کے ہرٹن پر سونے کے چار شلنگ کا معاوضہ ادا ہوگا۔یہ ادائیگی بھی سعودی امیدوں سے کم کی جارہی تھی۔یہ معاہدہ 60 سال کی مدت کے لئے کیا جارہا تھا۔اس میں یہ قابلِ پریشانی بات تھی کہ Royalty کم تھی اور بعد کی سالانہ ادائیگی کس کرنسی میں ہوگی یہ کمپنی کی صوابدید پر تھا۔

(The Kingdom,by Robert Lacey p225. 236, Discovery, by Wallace Stagener,Middle East Export Press Beirut,1971p14-22)

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس وقت پوری دنیا کے مالی حالات دگرگوں تھے اور تیل کی قیمت کم تھی لیکن وقت کے ساتھ تیل کی ضرورت اور مانگ اور قیمت میں اضافہ ہوتا گیا۔اس لحاظ سے تیل نکالنے پر جو royalty مقرر کی جارہی تھی وہ وقت کے ساتھ بالکل ناکافی ثابت ہوسکتی تھی اور ایسا ہی ہوا۔

کسی اور نے یہ محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو کہ ایک مسلمان ملک معاہدے کرتے ہوئے پوری احتیاط نہیں کررہا،خود اس ملک کے ذمہ دار افراد بھی اس کا احساس نہیں کر پا رہے تھے کہ مستقبل میں اس کے مفادات متاثر ہوسکتے ہیں لیکن حضرت مصلح موعودؓ نے اس بات کا تجزیہ بھی فرمایا اور پھر اس کے متعلق آواز بھی اُٹھائی۔اس سے بھی پہلے جب سعودی فرمانروا عبدالعزیز ابن سعود اور اٹلی کی حکومت کے درمیان کسی معاہدے کے لئے بات چیت چل رہی تھی تو حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں پیغام بھجوایا کہ معاہدہ کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیں کیونکہ یورپین قوموں کی عادت ہوتی ہے کہ معاہدے میں الفاظ نرم استعمال کرتی ہیں اور اس کے مطالب سخت ہوتے ہیں۔جب تیل کے معاہدے طے ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ معاہدات میں کبھی صرف اعتبار سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ کامل غور و فکر کے بعد معاہدہ کرنا چاہئے۔حضور نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کرنے والی کمپنی کے ذہن میں بھی کسی فریب کا خیال نہ ہو لیکن الفاظ ایسے ہیں کہ اگر کمپنی کی نیت بدل جائے تو سلطان عبدالعزیز کو مشکل میں ڈال سکتی ہے۔

(خطباتِ محمود جلد 16 صفحہ 549 تا 553)

جس وقت حضور نے خطبہ جمعہ میں اس امر کا ذکر کیا اس وقت تو ابھی سعودی عرب میں تیل کی کوئی خاص دریافت نہیں ہوئی تھی لیکن جلد ہی یہ صورتِ حال بدل گئی اور اس ملک میں تیل کے وسیع ذخائر دریافت ہونے شروع ہوگئے۔اور تیل کی کمپنیوں کو اتنا نفع ملنے لگا جو خود ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اور سعودی حکومت کو اس میں سے بہت کم حصہ مل رہا تھا۔عملاً بعد میں سلطان عبدالعزیز کو یہ احساس ہوا کہ یہ معاہدہ ان کے اور ان کے ملک کے مفادات میں نہیں ہے اور 1950ء میں انہیں یہ دھمکی دینی پڑی کہ تیل کی کمپنی کو حکومت اپنی تحویل میں لے لے گی۔اور تگ و دو کے بعد اس بات پر مفاہمت ہوئی کہ پچاس فیصد نفع سعودی حکومت کو دیا جائے گا۔یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصلح موعودؓ نے اس بات کا تجزیہ فرمایا کہ ان معاہدوں میں موجود پیچ سے مسلمان ممالک کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے اور حضور نے متعلقہ ملک کو پیغام بھی بھجوایا کہ وہ اس معاملہ میں زیادہ احتیاط کریں۔

صوبہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی حفاظت کے لئے کاوشیں

تحریکِ پاکستان کے مشہور مورخ کے۔کے۔عزیز اپنی کتاب The Making of Pakistan میں تحریر کرتے ہیں:

"From 1858 to 1905 the Muslims had been cultivating the British.From 1906 to 1911 this amity blossomed into friendship. .From 1911 to 1922 their relationship may be described as armed truce to open warfare....... There is another way of describing this development .From 1858 to 1905 Muslims were in a state of neutrality vis a vis Hindus; from 1906 to 1911 Hindu Muslim rift was marked and later ominous ; from 1911 to 1922 the two communities were co-operated against what they considered a common enemy_ British."

یعنی 1858ء سے 1905ء تک مسلمان انگریزوں سے مہذب تعلق رکھ رہے تھے۔1906ء سے 1911ء تک یہ مشفقانہ تعلق دوستی میں بدل گیا۔اور 1906ء سے 1922ء تک ان دونوں کا تعلق مسلح جنگ بندی اور کھلی کھلی جنگ کے درمیان گھومتا رہا......اس عمل کو بیان کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔1858ء سے 1905ء تک مسلمان ہندوؤں کے بارہ میں غیر جانبدار تھے۔1906ء سے 1911ء تک دونوں کے درمیان اختلاف پہلے بہت زیادہ اور پھر بدشگونی کی حد تک پہنچ گیا۔اور 1911ء سے 1922ء تک دونوں گروہ آپس میں تعاون کر رہے تھے اور یہ تعاون ایک ایسے گروہ یعنی انگریزوں کے خلاف تھا جسے وہ اپنا مشترکہ دشمن سمجھتے تھے۔

(The Making of Pakistan , A study in Nationalism,by K.K.Aziz, Sange Meel Publications 2005,p33)

جب 1914ء میں حضرت مصلح موعودؓ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو اس وقت ہندوستان کے مسلمان تاریخ کے اس دور سے گزر رہے تھے جب ہندوؤں کے ساتھ تعاون عروج پر تھا اور یہ دونوں مل کر انگریزوں کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے۔

1913ء میں میثاقِ لکھنؤ کا مرحلہ آیا۔کانگرس اور مسلم لیگ لکھنؤ میں ملے۔اس سال مسلم لیگ کے صدر قائدِاعظم محمد علی جناح اور کانگرس کی صدارت موجمدار کر رہے تھے۔اس میثاق کے تحت دونوں پارٹیوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اقتدار اور اختیارات کو مقامی آبادی کے نمائندوں کی طرف منتقل کرنے کا عمل شروع کیا جائے۔اور کانگرس کی طرف سے مسلمانوں کا جداگانہ انتخابات کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا یعنی مسلمان اور ہندو اسمبلیوں کے لئے اپنے علیحدہ علیحدہ نمائندے منتخب کریں گے۔اور یہ مسلم لیگ کے لئے بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ اس سے پہلے کانگرس اس مطالبے سے متفق نہیں تھی اور اس کی مخالفت کرتی تھی۔اس کے ساتھ دونوں پارٹیوں نے ایک اور تجویز سے بھی اتفاق کیا اور وہ یہ کہ تمام صوبوں میں جن مذاہب سے تعلق رکھنے والے اقلیت میں ہیں ان کو اسمبلی میں ان کی آبادی کی نسبت زیادہ نشستیں دی جائیں۔سینٹرل لیجسلیٹو کونسل میں بھی مسلمانوں کے لئے تیس فیصد نشستیں مخصوص کی گئیں۔صوبوں کے لئے جو کلیہ تجویز کیا گیا تھا اس کے مطابق اکثر صوبوں میں تو مسلمانوں کو فائدہ ہوتا تھا۔یعنی پنجاب اور بنگال کے علاوہ باقی صوبوں میں وہ اقلیت میں تھے اور انہیں ان باقی صوبوں میں اپنی آبادی سے زیادہ نشستیں ملتی تھیں۔بظاہر تو یہ سب اچھا لگ رہا تھا لیکن اس میں ایک پیچ تھا اور وہ یہ کہ مرکز میں اور پنجاب اور بنگال کے علاوہ باقی صوبوں میں تو ان کی نشستوں میں اضافہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی نمائندوں نے اقلیت میں رہنا تھا لیکن پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمان اکثریت میں تھے ان میں ان کی اکثریت اتنی معمولی تھی کہ جب یہاں پر اقلیت ہونے کے ناطے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنی آبادی سے زیادہ نشستیں دینے کی تجویز تسلیم کی گئی تو اس کلیے کے مطابق پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمانوں کی نشستیں کم از کم اکثریت 51 فیصد سے نیچے چلی جاتی تھیں اور تجویز تسلیم ہونے کی صورت میں یہاں پر بھی مسلمان اکثریت میں نہ رہتے۔اس کے نقصانات اب تو سب کو واضح نظر آسکتے ہیں لیکن اس وقت مسلم لیگ کے قائدین بھی اس مسئلہ کو کما حقہ محسوس نہیں کر پا رہے تھے۔چنانچہ مسلم لیگ اور کانگرس نے مل کر جو کلیہ وضع کیا اس کی رو سے مسلمانوں کے لئے بمبئی میں ایک تہائی،پنجاب میں پچاس فیصد، بنگال میں چالیس فیصد،یو پی میں تیس فیصد،بہار اور اڑیسہ میں پچیس پچیس فیصد،مدراس (چنائی) اور مرکزی صوبہ میں پندرہ پندرہ فیصد نشستیں مختص کرنے کی تجویز دی گئی تھی۔

(Jinnah of Pakistan,by Stanley Wolpert, published by Oxford University Press, 2006p46)

اس پس منظر میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد

وزیر ہند مانٹیگو ہندوستان آئے اور اس وقت کے وائسرائے چیمسفورڈ (Chemsford) سے مل کر ہندوستان کے مختلف گروہوں سے ملنا شروع کیا اور ان سے تجاویز لینی شروع کیں کہ آئندہ ہندوستان کا آئینی ڈھانچہ کیا ہونا چاہئے۔ان کی تجاویز بعد میں Government of India Act 1919 کی صورت میں نافذ ہوئیں۔ان تجاویز میں بھی ہر صوبے میں اقلیتوں کو زیادہ نشستیں دینے کا فارمولا صحیح تسلیم کیا گیا تھا۔جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قباحتوں کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔اور اس وقت مسلم لیگ کی طرف سے بھی یہی زور دیا جا رہا تھا کہ اسی طرز پر نشستوں کی تقسیم کی جائے۔حالانکہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے عملاً کہیں پر بھی اکثریت میں نہیں رہنا تھا۔چنانچہ جب 31/ اگست سے یکم ستمبر 1918ء کو مسلم لیگ کا خاص اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا،جس کی صدارت راجہ صاحب محمود آباد کر رہے تھے تو اس میں منظور ہونے والی قراردادوں میں سے سید وزیر حسن کی پیش کی گئی قرارداد نمبر سات میں لکھا تھا:

The proportion of the Mussalmans in the assembly and the legislative councils as laid down in the Congress-League scheme must be maintained

اور اس قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا تھا۔

(The Indian Muslims a documentary record (1900-1947), compiled by Shan Muhammad,published By Meenakshi Prakash,New Dehlip 186)

حضرت مصلح موعودؓ نے سب سے پہلے اس امر کو محسوس فرمایا کہ اس طرح مسلمانوں کے مفادات کو نقصان پہنچے گا۔اس وقت کے صوبوں میں سے صرف دو میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل تھی لیکن اس طرح یہ اکثریت بھی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہے گی۔جب وزیر ہند مانٹیگو صاحب ہندوستان آئے اور مستقبل میں ہندوستان کے آئینی ڈھانچے کو طے کرنے کے لئے ہندوستان کے مختلف گروہوں سے مذاکرات شروع کئے تو نومبر 1917ء میں حضرت مصلح موعودؓ ایک وفد کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور مانٹیگو صاحب سے ملاقات کی اور اس وقت جو ایڈریس پڑھا گیا اس میں اس مسئلہ کے متعلق موقف کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا۔

’’انتخاب کا کوئی ایسا طریقہ نہ رکھا جائے کہ جس میں قلیل التعداد جماعتیں نقصان میں رہیں۔ایسے تمام صوبوں میں جہاں کوئی قلیل التعداد جماعت خاص اہمیت رکھتی ہو اور اس کی تعداد اس قدر کم ہو کہ اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس جماعت کو اس تعداد سے زیادہ ممبروں کے انتخاب کا حق دیا جاوے جس قدر کے بلحاظ تعداد اس کے حصوں میں آتے ہیں جیسا کہ پنجاب و بنگال کے سوا باقی صوبوں میں مسلمان اور پنجاب میں سکھ بمبئی میں پارسی اور مدراس میں عیسائی ہیں۔اور سرحدی صوبہ میں اگر کبھی اس کو آئینی حکومت ملی تو ہندو ہیں۔مگر یہ حق ایسی قلیل التعداد جماعتوں کو جو زیادہ قلیل نہیں ہیں ہرگز نہیں ملنا چاہئے کیونکہ اس حق سے ان جماعتوں کو جو قلیل کثرت رکھتی ہیں سخت نقصان پہنچے گا۔مثلاً اگر بڑی تعداد والی قلیل التعداد جماعتوں کو بھی یہ حق دیا جائے تو ہندوؤں کو جن کی میجارٹی جہاں ہے بہت زیادہ ہے تو کوئی نقصان نہ ہوگا۔مگر مسلمانوں کو جن کی میجارٹی صرف بنگال اور پنجاب دو صوبوں میں ہے اور بہت ہی کم ہے سخت نقصان پہنچے گا اور ان کی میجارٹی کہیں بھی نہ رہے گی۔‘‘

(ریویو آف ریلیجنز دسمبر 1917ء صفحہ 457-458)

کچھ عرصہ کے بعد مسلم لیگ قیادت کو بھی اس بات کا احساس ہوا کہ اس طرز پر اقلیتوں کی نشستوں میں اضافہ کرنے سے پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ختم ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے مفادات کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔چنانچہ 1929ء میں جب قائد اعظم نے مسلم لیگ کی طرف سے چودہ نکات پر مشتمل مطالبات پیش کئے تو ان میں سے تیسرا مطالبہ یہ تھا۔

3. All legislative and other elected bodies shall be constituted on the definite principle of adequate and effective representation of minorities in every province without reducing the majority in any province to a minority or even equality

یعنی تمام لیجسلیٹو اور دیگر منتخب اداروں کو اس اصول پر بنانا چاہئے کہ ہر صوبہ میں اقلیتوں کو کافی اور مؤثر نمائندگی ملے لیکن کسی بھی صوبہ میں اس کی اکثریت کو اقلیت یا برابری میں تبدیل نہیں کرنا چاہئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضور نے 1917ء میں ہی اس امر کی نشاندہی فرما دی تھی اور 1929ء میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ کو بھی یہ بات اپنے مطالبات میں شامل کرنی پڑی۔

تحریک خلافت کے دوران حضرت مصلح موعودؓ کی راہنمائی

قوموں کی زندگی میں اکثر ایسے موڑ آتے ہیں جب جذبات بھڑکے ہوتے ہیں اور طبیعتوں میں ایک جوش ہوتا ہے۔ایسے مواقع پر قوم کے خیر خواہ افراد اور قائدین کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اس جوش کو مثبت سمت میں لے کر جائیں۔جس سمت میں وہ اپنے مقاصد بھی حاصل کریں اور نقصان بھی کم سے کم برداشت کرنا پڑے۔اور اس سمت میں سفر کرنے سے روکیں جس پر چلنے سے محض وقتی جوش کے ہاتھوں قوم کو بے مقصد نقصانات کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔

تحریک خلافت ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔اس موقع پر ایک راہنمائی حضرت مصلح موعودؓ نے بھی فرمائی اور کئی سعید لوگوں نے اس راہنمائی کو قبول بھی کیا۔لیکن بہت سے قائدین نے اس کے بر عکس خیالات کا اظہار بھی کیا اور ایک بھاری تعداد نے ان کا اثر قبول کیا۔کئی لوگوں نے حضرت مصلح موعودؓ کی راہنمائی کی اس وقت مخالفت بھی کی اور اس کی پاداش میں احمدیوں کو مظالم کا نشانہ بھی بنایا۔اب جب کہ تمام تاریخی واقعات ہمارے سامنے ہیں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ صحیح راہنمائی کس کی تھی؟

پہلی جنگ عظیم کے دوران ترکی کی سلطنت عثمانیہ جس کے تحت اس وقت شام ،عراق ،فلسطین ،لبنان اور حجاز کے عرب ممالک بھی آتے تھے جرمنی کی اتحادی بن کر میدان جنگ میں کود پڑی۔اس وقت ہندوستان کے لاکھوں مسلمان برطانوی فوج میں شامل ہو کر میدان جنگ میں گئے تھے اور ترکی کی افواج سے بھی لڑے تھے۔

جنگ عظیم اوّل میں برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کو کامیابی ہوئی اور جرمنی اور ترکی سمیت اس کے اتحادیوں کو شکست ہوئی۔جنگ ختم ہونے کے بعد اس قسم کے آثار واضح نظر آنے لگے کہ باقی مفتوحین کی نسبت ترکی کو زیادہ نقصان اُٹھانا پڑے گا۔سلطنت عثمانیہ کی سلطنت کی حیثیت ختم ہو رہی تھی کیونکہ اس کے ماتحت عرب علاقوں میں علیحدگی کی تحریک زور پکڑ چکی تھی۔یہ نظر آرہا تھا کہ یہ عرب علاقے جن میں حجاز کا علاقہ بھی شامل تھا اب سلطنت عثمانیہ کے ماتحت نہیں رکھے جائیں گے۔اور بہت سے یوروپی شہر جو ترکی کے ماتحت تھے ان کے علیحدہ کئے جانے کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے۔یہ اعلان بھی کیا جا رہا تھا کہ اب سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ کی حکمرانی محض آئینی سربراہ مملکت ہونے تک محدود رہ جائے گی۔

لازماً ہندوستان کے مسلمانوں میں ترکی کے لئے ہمدردی پائی جاتی تھی اور اس مرحلہ پر انہیں ان معاملات پر تشویش ہونی شروع ہوئی۔وہ چاہتے تھے کہ ترکی اور سلطنت عثمانیہ سے اس سے بہتر سلوک کیا جائے۔اور اس ہمدردی نے جلد ہی ایک مضبوط تحریک کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا اور اس کی طرز اور ان مطالبات کے خدوخال بھی جلد واضح ہو کر سامنے نظر آنے لگے۔

دسمبر 1918ء میں دہلی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا اور یہ پہلی مرتبہ تھا کہ مسلم لیگ کے اجلاس میں علماء حضرات شامل ہوئے تھے۔اس اجلاس میں خلافت عثمانیہ کے حق میں تقاریر کی گئیں اور قرارداد بھی منظور کی گئی کہ ترکی کے سلطان ہی وہ واحد شخص ہیں

جو کہ خلیفۃ المسلمین کہلائے جا سکتے ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا کہ شریف مکہ ہرگز خلیفۃ المسلمین نہیں کہلا سکتا۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 5, compiled by Shan Muhammad, published byMenakshi Prakashan New Dehli-pp:245)

انجمن مؤید اسلام،فرنگی محل لکھنو کے تحت 26/ جنوری 1919ء کو ایک اجلاس مولانا عبد الباری کی زیر صدارت ہوا۔اس میں موجود علماء نے اس بات کا اعلان کیا کہ ترکی کے موجودہ سلطان محمد ہشتم (وحید الدین) ہی اسلامی عقائد کے مطابق خلیفہ ہیں اور اسلام کی رو سے غیر مسلموں کو اس مذہبی معاملہ میں دخل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔اور اس اجلاس میں علماء نے یہ قرارداد بھی منظور کی کہ وہ برطانیہ کے بادشاہ سے وفادار ہیں اور ان سے لگاؤ رکھتے ہیں اور اس کی بنیاد وہ مذہبی رواداری اور آزادی ہے جو ان کی طرف سے دی گئی ہے۔اور وہ حکومت کے انصاف پر اپنے اعتماد کی تجدید کرتے ہیں۔اور اس اجلاس میں یہ مطالبہ بھی منظور کیا گیا کہ قسطنطنیہ اور تمام مقدس مقامات ترکی کے سلطان کے ماتحت ہی رکھے جائیں۔

(The Indian Muslims, A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehli- pp:5)

جنگ کے بعد جب مختلف فاتح طاقتیں مختلف قسم کے فیصلے کرنے کے لئے کانفرنس کر رہی تھیں تو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی طرف سے برطانوی سیکریٹری برائے ہندوستان کو مطالبات پر مشتمل ایک خط بھجوایا گیا جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ سلطنت عثمانیہ میں شامل مختلف علاقوں کو اختیارات اس سلطنت میں شامل ہوتے ہوئے دیئے جائیں نہ کہ اس سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے۔

(تحریک خلافت،مصنفہ ڈاکٹر میم کمال اوکے ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار،سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1991ء،صفحہ 94)

انہی دنوں پنجاب میں سیاسی فضا مکدر تھی اور رولٹ ایکٹ کی وجہ سے سیاسی فضا میں سخت تناؤ تھا۔پھر لاہور اور امرتسر میں مارشل لاء لگا اور 18/اپریل کو جلیانوالہ باغ کا واقعہ ہوا۔جس میں فائرنگ سے بہت سے لوگ مارے گئے۔ان دنوں گاندھی جی بھی اپنی طرز پر ستیہ گرہ کی مہم چلا رہے تھے۔لیکن 21/جولائی کو مہاتما گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی مہم روک دی۔اور 27/اگست 1919ء کو مہاتما گاندھی جی نے سیاسی منظر پر ایک اور پیش قدمی کی اور فرنگی محل کے مولوی عبد الباری صاحب کو لکھا کہ اب ہماری مشترکہ جدوجہد کا وقت آ گیا ہے۔

(Jinnah Reinterpreted,by Saad Al Khairi, Oxford University Press karachi,P480)

اس کے بعد ترکی کی سلطنت عثمانیہ اور ان کی حمایت میں چلنے والی تحریک خلافت ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوئی۔ جب یہ تحریک اس مرحلہ پر پہنچی تو فیصلہ کیا گیا کہ لکھنؤ میں ایک خلافت کانفرنس منعقد کی جائے۔اور اس کے لئے پورے ہندوستان کے مسلمان رہنماؤں کو دعوت نامے بھیجے گئے۔اس کانفرنس کے انعقاد سے چند روز پہلے مہاتما گاندھی جی نے بمبئی میں خلافت کے مسئلہ پر مسلمانوں کے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ آپ کو خلافت کے تحفظ کے لئے اپنا آرام ، اپنا سکون اپنی معیشت حتّٰی کہ اپنی زندگی بھی قربان کر دینی چاہئے۔

(The Indian Muslims, A documentary record 1900-1947 Vol 6, compiled by Shan Muhammad, publishedbyMenakshi Prakashan New Dehli- pp:40)

بہر حال 17/ستمبر 1919ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو ایک اعلان موصول ہوا جس پر ہندوستان کے بعض سربرآوردہ اصحاب کے دستخط بھی تھے کہ اس موقع پر سب مسلمانوں کو آواز بلند کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ سید ظہور احمد سیکریٹری مسلم کانفرنس کا خط بھی تھا جس میں حضور کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔حضور بیماری کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ حضور کو اس کانفرنس میں جانے میں کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا تھا خود تو وہاں نہیں جا سکے لیکن حضور نے اس موقع کے لئے اپنا پیغام تحریر فرمایا جو کہ حضور کے نمائندے وہاں لے کر گئے۔اس پیغام کے آغاز میں حضور نے تحریر فرمایا:

’’ترکوں کے مستقبل کا سوال ایک ایسا سوال ہے کہ جس سے طبعاً ہر ایک مسلمان کہلانے والے کو دلچسپی ہونی چاہئے اور ہے۔اور جب تک ان سے ہمدردی کرنی اور ان کی موافقت کرنی شریعت کے کسی اور حکم کے خلاف نہ آپڑے ضروری اور لازمی ہے۔اور جب تک ترک گورنمنٹ برطانیہ سے برسر پیکار رہے مسلمانان ہند کی ایک کثیر تعداد ہتھیار بند ہو کر ان کے خلاف لڑتی رہی۔اور شاید ہزاروں ترک مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہوں گے۔مگر یہ ان کا فعل اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کو ترکوں سے کسی قسم کا تعلق اور لگاؤ نہیں۔‘‘

چونکہ اس وقت اس تحریک کو چلانے والے اپنے مطالبات کو اس طرح پیش کر رہے تھے کہ چونکہ ترکی کے سلطان مسلمانوں کے خلیفہ ہیں اس لئے مسلمان ان پر ہونے والی کسی زیادتی کو برداشت نہیں کریں گے۔لیکن اس طرز پر تحریک چلانے میں ایک بڑی خامی یہ تھی کہ مسلمانوں کے کئی فرقے مذہباً ترکی کے سلطان کو خلیفہ نہیں سمجھتے تھے اور اس طرح اس مسئلہ پر مسلمانوں کا ایک مشترکہ موقف سامنے آنے کی بجائے اس بات کا خدشہ تھا کہ ترکوں کی ہمدردی کرنے کی یہ کاوشیں ایک طبقہ تک محدود ہو جائیں گی۔چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تحریر فرمایا:

’’پس اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام عالم اسلام ترکوں کے مستقبل کی طرف افسوس اور شک کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔اور یہ بھی درست ہے کہ ان کی حکومت کا مٹا دینا یا ان کے اختیارات کو محدود کر دینا ان کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچائے گا۔مگر اس کی یہ وجہ بیان کرنا کہ سلطان ترکی خلیفۃ المسلمین ہیں درست نہیں۔کیونکہ بہت سے لوگ ان کو خلیفۃ المسلمین نہیں مانتے مگر پھر بھی ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں میرے نزدیک ایسے نازک وقت میں اسلام کی ظاہری شان و شوکت سخت خطرہ میں ہے۔اس مسئلہ کو ایسے طور پر پیش کرنا کہ صرف ایک ہی خیال اور ایک ہی مذاق کے لوگ اس میں شامل ہو سکیں سیاسی اصول کے بھی برخلاف ہے۔ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک معتد بہ حصہ شیعہ مذہب کے لوگوں کا ہے۔اور سوائے بعض نہایت متعصب لوگوں کے تعلیم یافتہ اور سمجھدار طبقہ ترکوں سے ہمدردی رکھتا ہے مگر وہ کسی طرح بھی سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین ماننے کے لئے تیار نہیں۔اسی طرح اہل حدیث میں سے گو بعض لوگ خلافت عثمانیہ کے ماننے والے ہوں مگر اپنے اصول کے مطابق وہ لوگ بھی صحیح معنوں میں خلیفۃ المسلمین سلطان کو نہیں مانتے۔ہماری احمدیہ جماعت تو کسی صورت میں بھی اس اصل کو قبول نہیں کر سکتی۔کیونکہ اس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی قبل از وقت دی ہوئی اطلاعوں کے ماتحت آپ کی صداقت کے قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو اس زمانہ کے لئے مسیح موعود اور مہدی مسعود بنا کر مسلمانوں کی ترقی اور قیام کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور اس وقت وہی شخص خلافت کی مسند پر متمکن ہو سکتا ہے جو آپ کا متبع ہو۔اور قریباً تمام کی تمام جماعت احمدیہ اس وقت اس عاجز کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر کے اس بات کا عملی ثبوت دے چکی ہے کہ وہ کسی اور خلافت کے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ان تین فرقوں کے علاوہ اور فرقے بھی ہیں جو اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں لیکن خلافت عثمانیہ کے قائل نہیں۔بلکہ خود اہل سنت والجماعت کہلانے والے لوگوں میں سے بھی ایک فریق ایسا ہے جو خلافت عثمانیہ کو نہیں مانتا ورنہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ ایک شخص کو رسول کریم ﷺ کا صحیح جانشین تسلیم کر کے وہ اس کے خلاف تلوار اٹھاتے۔پس اندریں حالات ایسے جلسہ کی بنیاد جس میں ترکوں کے مستقبل کے متعلق تمام

عالمِ اسلامی کی رائے کا اظہار مدِ نظر ہو ایسے اصول پر رکھی جنہیں سب فرقے تسلیم نہیں کر سکتے درست نہیں۔ کیونکہ اس سے سوائے ضعف واختلال کے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا''۔

''میرے نزدیک اس جلسہ کی بنیاد صرف یہ ہونی چاہئے کہ ایک مسلمان کہلانے والی سلطنت کو جس کے سلطان کو مسلمانوں کا ایک حصہ خلیفہ بھی تسلیم کرتا ہے ہٹا دینا یا ریاستوں کی حیثیت دینا ایک ایسا فعل ہے جسے ہر ایک فرقہ جو مسلمان کہلاتا ہے ناپسند کرتا ہے اور اس کا خیال بھی اسے گراں گذرتا ہے۔''

تاریخ میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ کسی مقصد کے لئے وقتی جوش وخروش تو دکھایا جاتا ہے اور جلسے جلوس تو ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ کام کو صحیح منصوبہ بندی سے نہیں کیا جاتا اور نہ ہی صحیح صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور نہ ہی اس کام کے لئے مطلوبہ استقامت دکھائی جاتی ہے اس لئے نہ صرف کوئی مثبت نتیجہ نہیں ظاہر ہوتا بلکہ الٹا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

چنانچہ اس پہلو کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے حضور نے تحریر فرمایا:

''......اس مخلصانہ مشورہ کے بعد میں تمام احباب کرام سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ لوگ اس طرح اتفاق کے ساتھ ایک مقام پر کھڑے ہو کر کام کرنے کے لئے تیار ہوں تو امید ہے کہ نہ صرف اس غرض کے لئے مفید ہو جس کے لئے یہ جلسہ کیا گیا ہے۔ بلکہ آئندہ کے لئے بھی بہت سے بابرکت نتائج پیدا کرے۔ تو یہ بات بھی آپ لوگوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ بڑے کام بڑی محنت اور قربانی چاہتے ہیں۔ حکومتوں کا فیصلہ جلسوں کے ساتھ نہیں ہوتا......''۔

''پس اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کام معمولی کام نہیں ہے۔ ترکوں نے میدانِ جنگ میں شکست کھائی ہے اور اب وہ مغلوب ومفتوح قوم کی حیثیت میں ہیں۔ ان پر فتح پانے والے ان کے مقبوضہ ممالک کو اپنا جائز حق سمجھتے ہیں اور ان کو آپس میں تقسیم کر لینا یا ان کی حکومت میں اپنے منشاء کے ماتحت تبدیلی کر دینا ان کے نزدیک عدل وانصاف کے بالکل مطابق ہے۔ پس وہ قوم یا کسی فرقہ کے کہنے سے اپنے حقوق نہیں چھوڑ سکتے۔''

حضور نے اس امر کی نشاندہی فرمائی کہ یہ فیصلہ صرف برطانیہ کی مرضی سے نہیں ہونا بلکہ دوسری طاقتیں مثلاً امریکہ وغیرہ کی مرضی سے ہی کوئی فیصلہ ہونا ممکن ہے۔ اس لئے خالی برطانیہ پر دباؤ ڈالنے سے کوئی نتائج حاصل نہیں کئے جا سکتے۔

اس وقت ہندوستان میں یہ مطالبہ بھی کیا جا رہا تھا کہ حجاز جہاں پر مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں وہ علاقہ ترکی کی سلطنت کے ماتحت رہنا چاہئے۔ جب کہ دوسری طرف سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت عرب علاقوں میں رہنے والے عرب اب ترکی کے ماتحت رہنے کے لئے تیار نہیں تھے اور ان میں آزاد ہونے کی تحریک زور پکڑ چکی تھی۔ اس اہم نکتہ کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے حضور نے تحریر فرمایا:

''دوسرا امر اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمان حکومت حجاز کا سوال بیچ میں سے بالکل اُٹھا دیں۔ عربوں نے غیر اقوام کی حکومتوں کے ماتحت اپنی زبان اور اپنے تمدن کے متعلق جو کچھ نقصان اُٹھایا ہے وہ مخفی امر نہیں ہے۔ اور ہر ایک شخص جوان ممالک کے حالات سے آگاہ ہے اس امر سے واقف ہے۔ اور پھر عربوں نے جو کچھ قربانی اس آزادی کے حصول کے لئے کی ہے وہ بھی چھپی ہوئی بات نہیں۔ عرب کی غیرتِ قومی جوش مار رہی ہے اور اس کی حریت کی رگ پھڑک رہی ہے۔ انہیں اب کسی صورت میں ان کی مرضی کے خلاف ترکوں کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔''

حضور نے مغربی قوتوں کو دلائل کے ساتھ ترکی کے بارے میں بہتر سلوک کے لئے ایک کونسل قائم کرنے کے لئے راہنمائی فرمائی:

''تیسری ضروری بات یہ ہے کہ مناسب مشورہ کے بعد اس غرض کے لئے ایک کونسل مقرر کی جاوے جس کا کام ترکی حکومت کی ہمدردی کو عملی جامہ پہنانا ہو۔ صرف جلسوں اور لیکچروں سے کام نہیں چل سکتا، نہ روپیہ جمع کر کے اشتہاروں اور ٹریکٹوں کے شائع کرنے سے نہ انگلستان کی کمیٹی کو روپیہ بھیجنے سے بلکہ ایک باقاعدہ جدوجہد سے جو دنیا کے تمام ممالک میں اس امر کے انجام دینے کے لئے کی جاوے۔ یہ زمانہ علمی زمانہ ہے اور لوگ ہر ایک بات کے لئے دلیل طلب کرتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ اپنے مدعا کی تائید کے لئے دلائل جمع کئے جائیں......دلیل ایک دم میں کسی کے دل کو نہیں پھیرتی اس کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ گو یہ فرق ضرور ہے کہ تلوار چند محدود آدمیوں کے مقابلہ میں چلائی جا سکتی ہے۔ لیکن دلیل ایک وقت میں کئی ہزار بلکہ لاکھ آدمی کے سامنے پیش کی جا سکتی ہے۔ پس اس مشکل کام کو پورا کرنے کے لئے باقاعدہ انتظام ہونا چاہئے۔ اور اسی طرح سنجیدگی سے کام کرنا چاہئے جس طرح دوسری اقوام کر رہی ہیں۔''

اس کے بعد حضور نے یہ بات تفصیل سے بیان فرمائی کہ کس طرح مختلف مغربی ممالک میں اسلام کا غلط تاثر رائج ہو گیا ہے اور اس کے صحیح کرنے کے لئے ایک منظم اور مسلسل کوشش درکار ہے۔

(انوار العلوم جلد 4 صفحہ 371 تا 381)

جس کانفرنس کے لئے یہ پیغام بھجوایا گیا تھا وہ 22 ستمبر 1919ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوئی۔ پورے ہندوستان سے پانچ ہزار مندوبین اس میں شامل ہوئے۔ اس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ مسلمانوں کے خلیفہ کی روحانی حیثیت اس کی مادی طاقت اور اقتدار کے بغیر بے معنی ہے۔ اور یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ ترکی کے جو علاقے اس سے علیحدہ کرنے کے بارہ میں غور کیا جا رہا ہے وہ علاقے اس سے علیحدہ نہ کئے جائیں۔ 17 اکتوبر کو خلیفہ کی عزت و وقار کا دن منایا جائے۔ بمبئی میں موجود خلافت کمیٹی کو مرکزی حیثیت دی جائے اور پورے ملک میں اس کی شاخیں قائم کی جائیں۔

(تحریکِ خلافت، مصنفہ ڈاکٹر میم کمال اوکے ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار، سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور 1991ء، صفحہ 97)

ان قراردادوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان قراردادوں کی حمایت کرنے والوں کے نزدیک ان کے خلیفہ کی روحانی حیثیت اس وقت تک ہی تھی جب تک اسے اقتدار حاصل تھا۔ اور اگر یہ اقتدار ختم کر دیا جاتا اس کی روحانی حیثیت بھی ختم ہو جاتی اور پھر وہی غلطی کی جا رہی تھی کہ ترکی کے سلطان کو تمام عالمِ اسلام کے خلیفہ کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ جب کہ نہ صرف جماعت احمدیہ اس نظریہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی بلکہ کئی دوسرے فرقے بھی ترکی کے بادشاہ کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ کو اگر اس طرح پیش کیا جاتا تو ظاہر ہے مسلمانوں کے بہت سے گروہ اس کی مخالفت کرتے۔ لیکن اب یہ تحریک زور پکڑ چکی تھی اور اس کو چلانے والے بہت سے عواقب کا اندازہ لگانے سے قاصر تھے جن کی طرف حضور نے نشاندہی فرمائی تھی۔

17 اکتوبر 1919 کو سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ کے لئے دعاؤں کا دن منایا گیا اور ہندوستان بھر میں اس کے لئے اجتماعی دعائیں مانگی گئیں۔ اور ان دعاؤں میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین کہا گیا اور مختلف مقامات پر جو دعاؤں کے جلسے ہوئے ان میں یہ مطالبہ بھی پیش کیا گیا کہ حجاز کا علاقہ اور مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ خلیفہ کے ماتحت رہنے چاہئیں۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad, published byMenakshi Prakashan New Dehli p41-45)

اب ہندوستان کے مسلمان اس چیز کا مطالبہ کر رہے تھے جس کا انہیں حق نہیں تھا۔ عرب ممالک ترکی کے سلطان کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں یا نہیں اس فیصلہ کا اختیار عرب ممالک کے مسلمانوں کو ہے نہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو۔ اور حضرت مصلح موعودؓ نے تو پہلے ہی واضح فرمایا تھا کہ اب عرب ممالک کی علیحدگی کو ایک فیصلہ شدہ امر سمجھنا چاہئے کیونکہ اب عرب ترکی کے ماتحت رہنے کو تیار نہیں ہیں۔ لیکن وقت پر اس مشورہ کی قدر نہیں کی گئی اور اس تحریک کو

ایک لاحاصل نتیجہ کی طرف لے جایا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔

نومبر 1919 میں اس تحریک کا ایک نیا رنگ ظاہر ہوا۔ اب مہاتما گاندھی جی اس تحریک کے ایک نمایاں قائد کے طور پر ابھر رہے تھے۔ 24 نومبر 1919 کو دہلی میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا ایک جلسہ ہوا۔ اس کے آغاز میں فضل الحق صاحب نے یہ قرارداد پیش کی کہ مہاتما گاندھی جی کو اس جلسہ کا صدر بنایا جائے۔ اور انہوں نے کہا کہ اس موقع پر ہندو مسلم اتحاد بہت ضروری ہے اور جو شخص دونوں گروہوں کا اعتماد رکھتا ہو اسے اس کا صدر ہونا چاہئے اور مہاتما گاندھی جی سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا۔ اور ان الفاظ پر فضا داد و تحسین کے نعروں سے گونج اٹھی۔ پھر ڈاکٹر انصاری صاحب نے اس قرارداد کی تائید کی اور کہا کہ اس وقت گاندھی جی سے زیادہ موثر شخصیت موجود نہیں ہے اور یہ بڑے اعزاز کی بات ہو گی اگر مہاتما گاندھی جی اس میٹنگ کی صدارت کریں۔ اور اس کے ساتھ انہوں نے مہاتما گاندھی جی کی خدمات کو خراج تحسین بھی پیش کیا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی جی کو اس میٹنگ کا صدر بنایا گیا۔ تمام حاضرین احترام میں کھڑے ہوئے اور گاندھی جی پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ اس عالم میں مہاتما گاندھی جی نے اپنے خطبہ صدارت کا آغاز کیا۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6, compiled by Shan Muhammad, published by Menakshi Prakashan New Dehli-p p:58)

اس منظر کو قاضی محمد عدیل عباسی اپنی کتاب تحریک خلافت کے صفحہ 154 پر یوں بیان کرتے ہیں:

''وقت مقررہ پر گاندھی جی ہال میں داخل ہوئے۔ سب لوگوں نے جے کارے لگائے اور سروقد کھڑے ہو گئے۔ گاندھی جی کا استقبال کیا گیا۔ خواجہ حسن نظامی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، ڈاکٹر انصاری سیٹھ عبداللہ ہارون، جان محمد چھوٹانی، ڈاکٹر ساورکر، خان بہادر شاہ ولایت حسین، اور مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی نے استقبال کیا۔ اس کے بعد گاندھی جی کرسی صدارت پر تشریف لائے۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ گاندھی جی پر اس قدر پھول پھینکے گئے کہ ان کے گرد پھول ہی پھول نظر آتے تھے۔ جناب دانا اور خلیق کی نظمیں پڑھی گئیں۔ اس کے بعد گاندھی جی نے تقریر فرمائی جس میں آپ نے خلافت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ اگر مسلمانوں کے دل رنجیدہ ہیں تو ہندو ان کے ساتھ شریک ہیں......اس کے بعد گاندھی جی نے خلافت کمیٹی کے لئے چندہ کی اپیل کی اور بذات خود ایک پیسہ تبرکاً عنایت کیا۔ بس کیا تھا یہ پیسہ نیلام ہوا۔ اور اسے 501 روپیہ میں سیٹھ چھوٹانی نے خریدا۔ ایک ہزار نقد چندہ وصول ہوا اور ڈیڑھ ہزار کا وعدہ ہوا''۔

''اس کے بعد ایک دوسرے جلسہ میں عوام کا مطالبہ درشن کا تھا۔ گاندھی جی نے کہا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ میرا درشن کیا جائے۔ یہ کام کا وقت ہے۔ عورتوں کو کہا کہ تم چرخہ چلاؤ تو میں خود آ کر تمہارے درشن کروں گا اور تمہارے پاؤں چھوؤں گا''

خیر اس تبرک اور درشن کے ذکر کے بعد آگے چلتے ہیں۔ اس موقع پر حسرت موہانی صاحب نے یہ قرارداد پیش کی کہ انگلستان کی بنی ہوئی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ گاندھی جی نے اس کی مخالفت کی اور اس کی جگہ حکومت سے عدم تعاون کی تجویز پیش کی۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ دہلی میں ہونے والی آل انڈیا خلافت کانفرنس میں پیش کردہ تجویز کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے بمبئی میں موجود مرکزی خلافت کمیٹی میں پیش کی گئی اور اس کمیٹی ہی نے اس تجویز کو نا قابل عمل قرار دے دیا کیونکہ اس سے بمبئی میں موجود مسلمان تاجر بری طرح متاثر ہوں گے۔ بہت سی اشیاء کی قیمت بہت بڑھ جائے گی اور عام آدمی پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ماضی میں بھی یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ اس قسم کا بائیکاٹ کامیاب نہیں رہتا۔

دسمبر 1919ء میں امرتسر میں خلافت کانفرنس اور مسلم لیگ اور کانگریس کے اجلاسات ہوئے۔ 31 دسمبر کے خلافت کانفرنس کے اجلاس میں قرارداد منظور کی گئی کہ یہ کانفرنس ترکی کے سلطان کو جو مسلمانوں کے خلیفہ ہیں اپنا اظہار عقیدت پیش کرتی ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ امریکہ اور انگلستان اور وائسرائے کی طرف وفود بھیجے جائیں۔ اور اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ عرب علاقوں کے بارے میں ان کے مطالبات ابھی تک تسلیم نہیں کئے گئے۔ اور اسی طرح امرتسر میں ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس میں پہلی قرارداد یہ پیش کی گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ شاہ برطانیہ کو اپنا وابستگی کا پیغام بھجواتی ہے اور مسلمانان ہند کی مسلسل وفاداری کا یقین دلاتی ہے۔ اس قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

"All India Muslim league tenders its homage to the person and throne of His Majesty the King Emperor and assures him of steadfast and continued loyalty of the Mussalman community of India."

اس کے ساتھ مسلم لیگ نے یہ قرارداد بھی منظور کی کہ مسلم لیگ ترکی کے سلطان کو عالم اسلام کا خلیفہ سمجھتی ہے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین سمجھتی ہے اور ان کی مقدس شخصیت پر غیر متزلزل یقین رکھتی ہے۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehli. p 113.115)

لیکن اس موقع پر خلافت کانفرنس کے دوران جذبات کا اور ہی عالم تھا۔ سٹیج پر گاندھی جی بھی موجود تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کی جو تقریر ہوئی تو اس کا نقشہ عبدالمجید سالک ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:
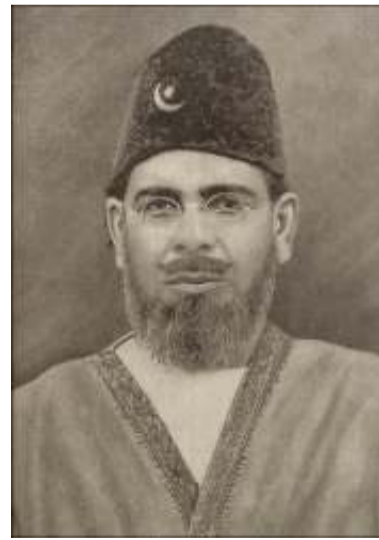
''مولانا کی تقریر بے نظیر تھی۔ نہ صرف زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے بلکہ مطالب کے لحاظ سے بھی پورے مسئلہ پر حاوی تھی۔ اور جذبات انگیزی کی کیفیت اس فقرے سے معلوم ہوتی ہے کہ ہمیں اب اس ملک سے ہجرت کر جانے کے سوا اور کوئی شرعی چارہ باقی نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس ملک کو چھوڑ جائیں گے اور اپنے مکانات اور اپنی مساجد، اپنے بزرگوں کے مزارات سب بطور امانت اپنے ہندو بھائیوں کو سونپ جائیں گے۔ تا آنکہ ہم پھر فاتحانہ اس ملک میں داخل ہو کر انگریزوں کو نکال دیں۔ اور اپنی امانت اپنے بھائیوں سے واپس لے لیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہندو بھائی جن کے ساتھ ہم ایک ہزار سال سے زندگی بسر کر رہے ہیں ہماری اتنی خدمت سے پہلوتہی نہ کریں گے۔''

''ان کے بعد بریلی کے بنسی دھر پاٹھک کھڑے ہوئے۔ ان کی تقریر بہت پر جوش اور بے حد دلچسپ تھی۔ انہوں نے مولانا محمد علی کے نہلے پر دہلا یوں مارا کہ اگر مسلمان بھائی اپنی شریعت کے احکام کے ماتحت اس ملک سے ہجرت کر جانے پر مجبور ہیں تو ہندو بھی یہاں رہ کر کیا کریں گے۔ اگر مسلمان چلے تو ہندو جاتی بھی ہجرت میں مسلمانوں کا ساتھ دے گی۔ اور ہم اس ملک کو ایک بھائیں بھائیں کرتا ہوا ویرانہ بنا دیں گے۔ تا کہ انگریز اس ویرانے سے خود ہی دہشت کھا کر بھاگ جائیں۔''

کس قدر عقل سے دور باتیں ہیں۔ لیکن جذبات کی دنیا نرالی ہے۔ اس وقت جلسے کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگ چیخیں مار مار کر رو رہے تھے اور خلافت کانفرنس مجلس عزاء بن گئی تھی۔''

(سرگزشت از عبد المجید سالک صفحہ 107-108)

یہ تحریک اب کس غلط سمت میں جا رہی تھی اس پر کسی طرح کے تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ ہندوستان کی کروڑوں کی آبادی یہاں سے نکل کر کہاں جائے گی؟

8 جنوری 1920ء کو پہلی آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کی صدارت فضل حق صاحب نے کی اور اس میں گاندھی جی اور موتی لال نہرو صاحب بھی شریک

ہوئے۔محمد علی جناح صاحب اس میں شریک نہیں ہوئے اور ان کی طرف سے بلاوے کے جواب میں معذرت کی تار موصول ہوئی۔اس میں جو پہلی قرارداد منظور کی گئی وہ خلافت سے کسی وابستگی کے اعلان پر نہیں تھی بلکہ اس بارے میں تھی کہ ہندوستان بھر کے مسلمان مہاتما گاندھی جی اور ہندوؤں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے خلافت کے مسئلہ میں گہری دلچسپی لی ہے۔اور اس کے علاوہ دو اہم قراردادیں یہ بھی منظور کی گئیں کہ اگر اس مسئلہ پر ان کے مطالبات منظور نہ کئے گئے تو وہ مرحلہ وار سلطنتِ برطانیہ سے تعاون ختم کر دیں گے اور اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو مرحلہ وار برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ بھی کر دیا جائے گا۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad, published byMenakshi Prakashan New Dehli. p p57)

19 رجنوری 1920ء کو تحریکِ خلافت کا وفد وائسرائے سے ملا اور ایک ایڈریس وائسرائے کو اس مسئلہ کے بارے میں پیش کیا۔اس کے جواب میں وائسرائے نے واضح کیا کہ جہاں تک خلافت کا تعلق ہے تو یہ فیصلہ تو صرف مسلمان ہی کر سکتے ہیں لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سلطنتِ عثمانیہ کو اسی حالت میں برقرار رکھا جائے جس میں وہ جنگ میں شرکت کرنے اور شکست کھانے سے پہلے تھی تو یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ جنوری 1920ء میں ہی مہاتما گاندھی جی نے میرٹھ میں خلافت کانفرنس میں برطانوی حکومت سے عدم تعاون کی تحریک کے موٹے موٹے خدوخال پیش کئے جنہیں قبول کر لیا گیا۔

(Jinnah Reinterpreted, by Saad Al Khairi,Oxford University Press Karachi,p 481)

پھر اس تحریک میں فروری کے آخر میں اور تیزی آگئی جب 28-29 رفروری کو کلکتہ میں اس کا اجلاس ہوا۔اس میں قراردادیں منظور کی گئیں کہ اگر سلطنتِ عثمانیہ کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کے برخلاف کیا گیا تو ہندوستان کے مسلمان سلطنتِ برطانیہ سے اپنی وفاداری ختم کر دیں گے۔برطانوی مصنوعات کے بائیکاٹ کا آغاز کیا گیا۔مصطفیٰ کمال پاشا اور انور پاشا کی ان کوششوں کو سراہا گیا جو وہ خلافت کی حفاظت کے لئے کر رہے تھے۔اور مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ فوج میں اور بحری جہازوں کی ملازمت اختیار نہ کریں۔اور برطانوی فوج میں مسلمان فوجیوں سے یہ اپیل کی گئی کہ وہ اپنے افسران پر مطالبات کی منظوری کے لئے زور ڈالیں اور انہیں بتا دیں کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو وہ برطانوی حکومت سے اپنے تمام تعلقات ختم کر لیں گے۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehli-p p159-160)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے اس تحریک کو چلانے والوں کو پہلے ہی متنبہ کیا تھا کہ اس تحریک کو ان خطوط پر چلایا جائے کہ یہ بات سامنے نہ رکھی جائے کہ ترکی کے سلطان تمام عالم اسلام کے خلیفہ ہیں اور عرب ممالک کی آزادی کو ایک فیصلہ شدہ بات سمجھا جائے اور یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ محض جلسے جلوسوں سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کئے جاسکتے۔نہ ہی محض اشتہارات شائع کر کے یہ کام کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کام کے لئے مختلف ممالک میں ایک باقاعدہ جدوجہد کرنی ہوگی۔لیکن جیسا کہ اب تک کے حالات کے جائزہ سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اس تحریک کو چلانے والوں نے ان نصائح سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا تھا۔اور یہ تحریک ایک جذباتی تحریک کا رنگ اختیار کرتی چلی جا رہی تھی جس کا زمینی حقائق سے رابطہ منقطع ہوتا جا رہا تھا۔اس کے چند پہلو پیش ہیں۔

اس تحریک کا نعرہ یہ تھا کہ ترکی کے سلطان ہمارے بلکہ تمام عالم اسلام کے خلیفہ ہیں۔اس لئے اگر ان کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو ہندوستان کے مسلمان اس پر حکومتِ برطانیہ سے عدم تعاون کریں گے،ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیں گے اور اپنے خلیفہ کی مدد کو آئیں گے اور سلطنتِ برطانیہ سے ہماری وفاداریاں ختم ہو جائیں گی۔اب یہ بات ظاہر ہے کہ اگر ان کے نزدیک ترکی کے سلطان خلیفہ تھے تو یقینا لوگوں پر ان کی اطاعت بھی فرض تھی۔تو اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ اس وقت ترکی کے سلطان کا خود برطانوی حکومت کے ساتھ رویہ کیا تھا۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت ترکی کے سلطان وحیدالدین مکمل طور پر برطانوی حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ مکمل طور پر برطانوی حکومت سے تعاون کریں تاکہ ترکی کو مزید نقصان سے بچایا جاسکے۔اور وہ مکمل طور پر برطانوی افسران سے رابطے میں تھے۔اور اگر انہیں اس بات کی اطلاع ملتی کہ کوئی شخص برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کے خلاف منصوبہ بنا رہا ہے تو وہ اس بات کی اطلاع برطانوی افسران کو کر دیتے تھے اور جب مصطفیٰ کمال پاشا نے اناطولیہ میں برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کے خلاف لڑنے کے لئے فوج تشکیل دینا شروع کی تو خلیفہ وحیدالدین نے اس جدوجہد کو دبانے کے لئے اپیل کر کے اپنی فوج تشکیل دی تاکہ اس جدوجہد کو چلانے والوں کو کچل کر وہ برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کی مدد کریں۔

اس صورت حال کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ ترکی کا خلیفہ تو برطانیہ کی مدد کر رہا تھا اور ان کے خلاف اُٹھنے والوں کو فوج کشی کر کے کچل رہا تھا اور اس کی اتباع کرنے والے اس کے نام پر برطانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے تھے۔عقل اس انوکھی منطق کو قبول نہیں کر سکتی۔

(GreyWolf by H.C. Armstrong, published by Penguin Book Ltd.May 1938P109-138)

پھر اس بات کو لے لیں کہ وہ عرب علاقے جو پہلے ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت تھے انہیں اب اس سلطنت کا حصہ بنایا جائے کہ نہیں۔تو ایک پہلو تو یہ ہے کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان عرب ممالک میں بسنے والے مسلمان اب ترکی کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے تھے۔لیکن دوسرا یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ اس وقت سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ بھی یہ مطالبہ پیش ہی نہیں کر رہے تھے کہ عرب ممالک کو ان کے ماتحت رکھا جائے۔اور نہ ہی ترکی کے سیاستدان،ان کی پارلیمنٹ اور مصطفیٰ کمال پاشا اس بات کا مطالبہ پیش کر رہے تھے۔ان کی کوشش تو بس یہی تھی کہ وہ علاقے جو ان کے ملک ترکی کا حصہ ہیں انہیں کسی قیمت پر ترکی سے کاٹا نہ جائے۔اور یہ بڑا معقول مطالبہ تھا۔اب اس زبردستی کے اتحاد کے لئے نہ ترکی والے تیار تھے اور نہ عرب ممالک کے لوگ اور ان کے لیڈر تیار تھے لیکن تحریک خلافت کے قائدین پھر بھی مسلسل سلطنتِ برطانیہ سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ عرب ممالک کو اس سلطنت سے علیحدہ نہ کیا جائے۔اگر اس بات کی بجائے یہ کوشش کی جاتی کہ ان عرب ممالک کو مکمل آزادی ملے اور انہیں کسی مغربی ممالک کے زیرِ سایہ نہ رکھا جائے تو یہ ایک معقول بات ہوتی۔

پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے بہت سے قائدین زمینی حقائق سے لاعلم تھے۔جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ فروری کے آخر میں جو اجلاس کلکتہ میں ہوا اس میں یہ قرارداد بھی پیش کی گئی کہ مصطفیٰ کمال پاشا خلافت کی حفاظت کے لئے جو کوششیں کر رہے ہیں ہم انہیں سراہتے ہیں۔

ترکی کی تاریخ کا ادنیٰ سا علم رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے کبھی خلافتِ عثمانیہ کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہی نہیں تھی۔اس وقت ان کا یہی خیال تھا کہ یہ ایک فرسودہ نظام ہے اور اس کی اس دور میں کوئی جگہ نہیں ہے۔البتہ ان کے بہت سے ساتھی اس بات کے لئے کوشاں رہتے تھے کہ مصطفیٰ کمال پاشا خلیفہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور کم از کم خلافت بغیر اختیارات کے قائم رہے اور ان کو ساتھ رکھنے کے لئے مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنے رویہ کو ذرا نرم کرنا پڑتا تھا۔لیکن ان سب حقائق کے باوجود ہندوستان میں یہ واہ واہ ہو رہی تھی کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کے استحکام کے لئے جو کوششیں کی ہیں ہم انہیں سراہتے ہیں۔

مارچ 1920 میں تحریکِ خلافت کا وفد انگلستان اور یورپ کے دورے پر گیا اور اس نے انگلستان میں وزیر اعظم انگلستان لائیڈ جارج سے بھی ملاقات کی۔اس ملاقات میں

مولانا محمد علی کی قیادت میں وفد نے اپنا موقف وزیرِ اعظم انگلستان کو پیش کیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس مسئلہ کو ایک مذہبی مسئلہ کے طور پر پیش کیا اور یہ بھی کہا کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک وسیع علاقے پر حکمران ہو۔ اور پہلی جنگِ عظیم سے قبل بھی جو علاقہ خلیفہ کے زیرِ اقتدار رہ گیا تھا وہ بھی کم از کم تھا جو کہ ایک خلیفہ کے پاس ہونا چاہئے۔

ان کے نظریات کی بنیاد جو بھی تھی اس نے اسی وقت وزیرِ اعظم کو ایک اعتراض کرنے کا موقع دے دیا۔ وزیرِ اعظم نے کہا کہ شام کے مسلمانوں نے امیر فیصل کو عرب کا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا، کیا آپ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر پہلے ہی خلیفہ کے پاس صرف کم از کم معیار کا علاقہ باقی بچا تھا تو پھر عربوں کے اعلانِ آزادی سے یہ علاقہ خود مسلمانوں کی وجہ سے ہی کم از کم معیار سے نیچے چلا جائے گا اور خود مولانا محمد علی جوہر یہ کہہ چکے تھے کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ وسیع علاقے پر حکمران ہو۔ اس پر مولانا محمد علی جوہر نے کہا کہ وہ ترکوں اور عربوں کے درمیان صلح کرانا چاہتے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ امیر فیصل جب ایک مسلمان کی حیثیت سے اس معاملہ کو دیکھیں گے تو وہ اس بات کو منظور کر لیں گے کہ ترکی کی سلطنت کا حصہ رہتے ہوئے وہ مزید آزادی حاصل کریں۔ اس پر وزیرِ اعظم نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ عربوں کی آزادی کے مخالف ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں اور پھر کہا کہ زیادہ اختیارات ترکی کی سلطنت کا حصہ رہتے ہوئے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہ کہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یروشلم کے شہروں کے علاوہ نجف کربلا اور بغداد بھی ترکی کے خلیفہ کے ماتحت ہونے چاہئیں۔

اب یہاں مولانا محمد علی جوہر صاحب وہی غلطی کر رہے تھے جس کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ نے متنبہ فرمایا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عرب ترکی کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے تھے اور یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا کہ کسی کے سمجھانے سے عرب رضا کارانہ طور پر ترکی کے ماتحت رہنا قبول کر لیں گے۔ سچ یہی تھا کہ اس بات کو تسلیم کر لینا چاہئے تھا کہ یہ عرب علاقے اب ایک علیحدہ تشخص بنا چکے ہیں۔ اور رہا امیر فیصل کو سمجھانے کا تعلق تو اس بات کو لائیڈ جارج سنجیدگی سے نہیں لے سکتے تھے کیونکہ امیر فیصل کافی عرصہ سے انگریز حکومت سے رابطے میں تھے اور ان کے تعاون کے ساتھ سلطنتِ عثمانیہ سے علیحدگی کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس کے بعد مولانا محمد علی جوہر صاحب نے وزیرِ اعظم سے کہا کہ ہمارا نہیں خیال کہ یہودی اتنی بڑی تعداد میں فلسطین میں ہجرت کریں گے کہ اس سے مسلمانوں کی اکثریت کو خطرہ ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا۔

ہندوستان کی حکومت کو، انگلستان کے وزیرِ اعظم کو اور یورپ کے صاحبانِ اقتدار کو جس طرز پر تحریکِ خلافت کے قائدین اپنے مطالبات پیش کر رہے تھے اس سے وہ ان مغربی طاقتوں کی مدد کر رہے تھے جو اس بات کا تہیہ کئے بیٹھی تھیں کہ ترکی کے اپنے علاقے بھی عیسائی ممالک کو بخش دیئے جائیں۔ یہ بات سمجھنے کے لئے ترکی کے اندر 1920ء کے پہلے نصف میں رونما ہونے والے واقعات پر سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے۔ جنوری 1920ء میں ترکی کے سلطان عبدالوحید نے یہ چال چلی کہ اپنے سے باغی پارلیمنٹ کو دعوت دی کہ وہ قسطنطنیہ میں اپنا اجلاس کریں۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے بھانپ لیا تھا کہ یہ ایک چال ہے۔ انہوں نے اپنے رفقاء کو وہاں جانے سے منع کیا۔ اس وقت قابض اتحادی افواج اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ترکی کے کئی علاقوں میں اپنی موجودگی کم کر رہی تھیں لیکن قسطنطنیہ میں ان کی بھاری تعداد موجود تھی۔ لیکن ممبرانِ پارلیمنٹ نے مصطفیٰ کمال پاشا کی بات نہ مانی اور قسطنطنیہ چلے گئے اور سلطان کو اپنی وفاداری کا پیغام بھی بھجوایا لیکن مصطفیٰ کمال پاشا انگورہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ جب پارلیمنٹ کا مرکز قسطنطنیہ میں منتقل ہو گیا تو انگریز حکام نے پارلیمنٹ کے کام میں روزمرہ کی مداخلت کرنی شروع کی۔ لیکن ممبران پارلیمنٹ یہ دباؤ تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ چنانچہ ترکی پر انگریز حکام اور دوسرے قابضین کی گرفت کمزور پڑنی شروع ہوئی۔ سلطان عبد الوحید انگریز حکام سے ملے ہوئے تھے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان سے تعاون نہ کیا تو ان کی رہی سہی حکومت بھی ختم ہو جائے گی اور وہ مصطفیٰ کمال پاشا کے ان خیالات سے واقف بھی تھے کہ وہ ترکی کی خلافت کے مخالف ہیں۔ مگر مصطفیٰ کمال پاشا اس بات کے لئے جد و جہد کر رہے تھے کہ انگریز اور یونانی اور دوسری مغربی قابض طاقتیں ترکی کے ملک کے مختلف علاقوں پر قبضہ نہ کر پائیں اور اس مقصد کے لئے وہ اور ان کے ساتھی مسلح جد و جہد کر رہے تھے۔ بہرحال سلطان عبدالوحید نے انگریز افواج کی مدد سے پارلیمنٹ کو برخواست کر دیا اور بہت سے ممبران پارلیمنٹ گرفتار کر لئے گئے اور بہت سے فرار ہو کر دوبارہ مصطفیٰ کمال پاشا کے پاس جانے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان عبد الوحید نے اس بات کا تہیہ کیا ہؤا تھا کہ وہ مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کے ساتھیوں کو ختم کر دیں جو ملک کے مختلف علاقوں میں قابض افواج سے لڑ کر ان سے ترکی کے علاقے آزاد کروانے کی جد و جہد میں مشغول تھے۔ چنانچہ انہوں نے ترکی کے عوام سے مذہب کے نام پر اپیل کی کہ مَیں تمہارا خلیفہ ہوں اور یہ میرے خلاف باغی ہیں تمہارا مذہبی فرض ہے کہ میری مدد کو آؤ۔ چنانچہ خلیفہ کی فوج کے نام سے ایک فوج تشکیل دی گئی جنہوں نے ان ترکوں سے لڑنا شروع کر دیا جو اس وقت مغربی قابض افواج سے نبرد آزما تھے۔ اور ترک نے ترک کو مارنا شروع کر دیا اور مغربی افواج جو پہلے دبنا شروع ہو گئی تھیں انہوں نے اس کے نتیجہ میں پھر اپنی گرفت مضبوط کرنی شروع کر دی اور مزید علاقے اپنے قبضہ میں لینے شروع کر دیئے اور ایک مرحلہ پر تو مصطفیٰ کمال پاشا اپنے قریبی ساتھیوں سمیت ایک زرعی سکول میں محصور ہو گئے تھے اور ان کی موت یقینی نظر آنے لگی تھی۔ ان دنوں میں مغربی قوتوں کے سامنے یہ بات پیش کرنا کہ سلطان ترکی ہمارے واجب الاطاعت خلیفہ ہیں اور ہم ان کے اختیارات میں کسی قسم کی کمی نہیں دیکھنا چاہتے یہ ان مغربی قوتوں کو تقویت دینے کے مترادف تھا جو ترکی کے اپنے علاقے بھی ہتھیانے کی فکر میں تھیں کیونکہ سلطان ترکی تو پہلے ہی ان سے ہر طرح کا تعاون کر رہے تھے۔ اور یہ طریق ان لوگوں کو کمزور کرنے کے مترادف تھا جو اس وقت قابض مغربی افواج سے لڑ کر اپنے ملک کو غلامی سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے اور سلطانِ ترکی نے تو ان کی موت کے احکامات جاری کر دیئے تھے۔

(Grey Wolf by H.C. Armstrong, published by Penguin Book Ltd.May 1938P121-131)

بہرحال اس پس منظر میں جب مغربی افواج کی پوزیشن بہتر ہوئی تو انہوں نے ترکی کے سامنے معاہدے کی ایسی شرائط رکھ کر ان کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جس کے نتیجے میں سلطنتِ عثمانیہ کے دوسرے ممالک تو ایک طرف رہے خود ترکی کے بہت سے اہم علاقے بھی ہتھیا لینے کی شرائط بھی شامل تھیں۔ ہم یہ یاد دلاتے جائیں کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی تحریکِ خلافت کے قائدین کو متنبہ فرمایا تھا کہ وہ اس بات پر زیادہ زور نہ دیں کہ ترکی کے سلطان ہمارے خلیفہ ہیں بلکہ ترکی کے حقوق کی بات کریں اس کے لئے انصاف کی جد و جہد کریں۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ مشورہ قبول کرنے میں ہی بھلائی تھی مگر افسوس ایسا نہیں کیا گیا۔

بہرحال اعلیٰ حکام سے یہ ملاقاتیں بھی ثمر آور ثابت ہوتی نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ہڑتالیں اور جلسے جلوسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہندوستان کے مسلمان اب اس مسئلہ پر بہت سرگرم نظر آتے تھے۔

23/ مارچ 1920ء کو میرٹھ کے مقام پر خلافت کانفرنس بڑے دھوم دھام سے منعقد کی گئی۔ گاندھی جی ان دنوں میں اس تحریک میں بہت سرگرم تھے۔ انہوں نے میرٹھ کی کانفرنس میں یہ فیصلہ سنایا کہ اگر اتحادیوں نے فیصلہ ترکی کے خلاف سنایا تو ہمیں انگریز حکومت سے عدم تعاون کرنا ہوگا۔ تمام سرکاری خطابات اور سول اور فوجی اور پولیس کی نوکریوں سے علیحدگی اختیار کرنی ہوگی۔ پھر ٹیکس اور دوسری سرکاری واجب الادا رقوم کی ادائیگی سے انکار کیا جائے گا۔ جگہ جگہ جلسے جلوس کئے جا رہے تھے اور ان میں پر جوش نعرے بلند کئے جا رہے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے پہلے ہی متنبہ فرمایا تھا کہ بڑے کام محض جلسے جلوسوں سے نہیں ہوتے لیکن ایک جوش کے عالم میں یہ سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا۔ اور اب یہ کام غیر منظم اور بے ہنگم طریق پر کیا جا رہا تھا۔ یہ بات اتنی بڑھی کہ خود اس تحریک کے ایک بڑے قائد مولوی عبدالباری فرنگی محل صاحب کو اعلان کرنا پڑا کہ بلا ضرورت اور دیکھا دیکھی یہ کانفرنسیں نہ کی جائیں بلکہ اب یہ سلسلہ موقوف کرنا بہتر ہوگا۔ اور کہا کہ میں بھی صرف اس صورت میں ان کانفرنسوں میں شریک ہوں گا

اگر اس سے کوئی فائدہ ہو۔

ایک طرف تو یہ جوش و خروش جاری تھا اور پورے ملک میں جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔اور دوسری طرف ہندوستان کے مسلمانوں کے راہنما ان کی غلط راہنمائی کر کے انہیں ایک اور مشکل میں ڈال رہے تھے۔جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے،بعض لیڈروں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ ان حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔ہجرت کی اس تحریک کے حالات یہ تھے کہ اب تک یہ بھی پوری طرح تعین نہیں ہو سکا کہ اس کو شروع کرنے والا کون تھا؟ جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمان اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہندوستان سے باہر چلے گئے اور ان کو کسی مسلمان ملک میں بھی باعزت ٹھکانہ نہ مل سکا۔بعض کہتے ہیں اس تحریک کا نقطہ آغاز ابوالکلام آزاد کا فتویٰ تھا۔اور بعض کہتے ہیں کہ یہ فتویٰ سب سے پہلے مولوی عبدالباری فرنگی محل نے دیا تھا۔

ابوالکلام آزاد صاحب نے فتویٰ دیا:

''تمام دلائل شرعیہ حالاتِ حاضرہ مصالح مہمہ اُمت اور مقتضیات و مصالح پر نظر ڈالنے کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کے لئے بجز ہجرت کوئی چارہ شرعی نہیں ہے۔ان تمام مسلمانوں کے لئے جو اس وقت سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔''

پھر اس بات کا جواز پیدا کرنے کے لئے کہ ان جیسے احباب اپنا قیام ہندوستان میں ہی رکھیں ابوالکلام آزاد صاحب نے فرمایا:

''البتہ جن لوگوں کی نسبت ظنِ غالب ہو کہ مقصد کی جدوجہد اور کلمہ حق کے اعلان و تذکیر کے لیے ان کا قیام ہندوستان میں بمقابلہ ہجرت زیادہ ضروری ہے یا جو لوگ دیگر عذرات مقبولہ شرع کی بنا پر ہجرت نہ کر سکیں یا ایک اتنی بڑی وسیع آبادی کی نقل و حرکت میں قدرتی طور پر جو تاخیر ہونی چاہئے اس کی وجہ سے تاخیر ہو سو بلاشبہ وہ لوگ ٹھہر سکتے ہیں۔ان لوگوں کو اپنی تمام قوتیں اتباع شرع کے لئے وقف کر دینی چاہئیں۔''

اس کے ساتھ ابوالکلام آزاد صاحب نے یہ بھی کہا کہ ہجرت سے پہلے ہجرت کی بیعت ہے بغیر بیعت کے ہجرت نہیں ہو سکتی۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے ساتھی اس وقت اس بات کی کاوشیں بھی کر رہے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان ابوالکلام آزاد صاحب کی باقاعدہ بیعت کر لیں۔

ہندوستان کے ہزاروں مسلمان بے سرو سامانی کے عالم میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر افغانستان کی طرف ہجرت کرنے لگے۔بہت سے مسلمانوں کو کچھ لوگ ہجرت کے فتاویٰ دکھاتے اور یہ سبز باغ بھی دکھاتے کہ وہاں تمہیں ہر طرح کی راحت ملے گی اور تم مالدار ہو جاؤ گے اور چین کی زندگی گذارو گے۔پہلے تو کابل میں حضوری باغ میں انہیں جگہ دی گئی۔لیکن جلد ہی طرح طرح کی مشکلات نے انہیں آن گھیرا۔ان کے اثاثے فروخت ہونے لگے۔کابل کے بعض بداخلاق لوگوں نے ان کی پردہ پوش عورتوں پر آوازیں کسنی شروع کیں۔جب جگہ کم ہوئی تو انہیں افغانستان کے دوسرے شہروں کی طرف جانے کا حکم سنایا گیا۔کچھ بدخشاں اور ترکستان گئے مگر وہاں بھی مالی مشکلات کی وجہ سے پنپ نہ سکے اور انہیں واپس آنا پڑا۔کابل کے لوگوں نے مہاجروں کی سخت مخالفت شروع کی۔ایک مرحلہ پر ان ہندوستانیوں نے جب ایران جانے کی کوشش کی تو دونوں طرف کھڑے افغان یہ آوازیں لگا رہے تھے مارو ان ہندوستانیوں کو یہ چور ہیں۔بہر کیف بہت سی مشکلات کا شکار ہونے کے بعد ان لوگوں کو جو افغانستان چلے گئے تھے اپنا بہت کچھ برباد کرنے کے بعد واپس ہندوستان آنا پڑا اور یہ سب کچھ ان کے راہنماؤں کی غلط راہنمائی کی وجہ سے تھا جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے اس مہم کو ہوا دے دی تھی۔کسی نے یہ تکلف بھی نہیں کیا کہ افغانستان کی حکومت سے رابطہ کر کے یہی پوچھ لے کہ کیا وہ کروڑوں مسلمانوں کو اپنے وطن میں بسنے کی اجازت دے گی بھی کہ نہیں اور نہ ہی کسی نے یہ جائزہ لیا کہ یہ ملک ایک طویل عرصہ اس قسم کا دباؤ اور بوجھ برداشت بھی کر پائے گا کہ نہیں۔بس امیر افغانستان کی طرف سے ایک ہمدردانہ بیان آیا اور تفصیلات طے کئے بغیر اس تحریک کو ہوا دے دی گئی۔

(تحریک خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی ،، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی صفحہ 117 تا 139)

بہر حال اب وہ وقت آ رہا تھا جب اتحادیوں کے تمام ارادے ظاہر ہو جانے تھے۔اب تک تحریک خلافت کی زیادہ تر کاوشیں اس بات کے ارد گرد گھوم رہی تھیں کہ ترکی کے سلطان عالم اسلام کے نزدیک خلیفہ ہیں۔اور ان کے عقائد کے مطابق یہ ضروری تھا کہ ایک وسیع علاقہ ان کے ماتحت ہو۔اور اس غرض کے لئے وہ تمام ممالک جو پہلے سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت تھے اسی کے ماتحت رکھنے چاہئیں۔واضح رہے کہ ان ممالک میں حجاز، فلسطین، عراق اور شام کے علاقے بھی شامل تھے۔لیکن اتحادی قوتیں کچھ اور ہی ارادے بنا کر بیٹھی ہوئی تھیں۔وہ ترکی کے اپنے علاقے بھی کسی نہ کسی عیسائی ملک کو سونپ دینا چاہتی تھیں۔اور اس طرح ترکی کے اپنے علاقے بھی اس کے ہاتھ سے نکل جانے تھے۔کچھ سالوں قبل یہ ایک ایسی سلطنت تھی جس کے ماتحت بہت سے ممالک تھے۔

اب ان ارادوں کے خدوخال سامنے آنے لگے تھے۔ایشیا میں عراق، فلسطین اور اردن کے علاقے سلطنتِ عثمانیہ سے الگ کر دیئے گئے اور ان پر برطانوی مینڈیٹ قائم کیا گیا۔شام اور لبنان کو بھی ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور ان پر فرانسیسی مینڈیٹ قائم کیا گیا۔عراق اور شام کو عارضی آزادی دینے کا اعلان کیا جا رہا تھا لیکن مینڈیٹ رکھنے والی طاقتیں ان کو حسبِ ضرورت مشورے دیں گی۔حجاز کو بھی سلطنتِ عثمانیہ سے علیحدہ کر دیا گیا۔اور یہ آزاد حیثیت میں آ گیا۔بین الاقوامی گارنٹی میں آرمینیا کو آزاد حیثیت دے دی گئی۔ترکی میں شامل کردستان کو خود مختاری دی گئی۔سمرنا کو یونان کے حوالے کر دیا گیا۔یوروپی علاقوں میں مشرقی تھریس کے کچھ علاقے اور بعض Aegean Islands کو یونان کے حوالے کر دیا گیا۔Rhodes اور Dodecanese کو اٹلی کے حوالے کر دیا گیا۔ان سب کے علاوہ اتحادی طاقتوں کو ترکی کے مالی معاملات میں مداخلت کا اختیار بھی مل رہا تھا۔ابھی معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے تھے لیکن یہ ارادے مشتہر کر دیئے گئے تھے۔یہ سن کر تمام مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔فیصلہ ہوا کہ جون کے شروع میں الہ آباد میں مشورے کے لئے جلسہ منعقد کیا جائے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو مولوی عبدالباری فرنگی محل کی طرف سے مشورہ کے لئے اس جلسہ میں شامل ہونے کا دعوت نامہ ملا۔

حضور نے اس میں خود شرکت نہیں فرمائی بلکہ اپنا پیغام تحریر کر کے اس کانفرنس میں بھجوایا۔یہ مضمون بعد میں ''معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ'' کے نام سے شائع ہوا۔اس کے آغاز میں حضور نے تحریر فرمایا:

''اگر میری شمولیت اس جلسہ میں کسی طرح بھی نفع رساں ہو سکتی اور مجھے امید ہوتی کہ میرا بذاتِ خود حاضر ہونا میرے اہل وطن اور میرے بھائیوں کے لئے کسی طرح بھی مفید ہو سکتا ہے تو میں سو کام چھوڑ کر بھی اس اہم اور وسیع الاثر معاملہ میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا۔لیکن چونکہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے جلسوں میں ایسے اشخاص کو جنہیں ذرہ بھر بھی اختلاف رائے ہو بولنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔اس لئے میرا بذاتِ خود آنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔مگر دوسری طرف چونکہ اپنے بھائیوں کی ہمدردی اور ان کی خیر خواہی...... کا جوش مجھے اس بات پر بھی مجبور کرتا ہے کہ کوئی سنے نہ سنے۔میں اپنا مشورہ ان تک پہنچا دوں میں اس تحریر کے ذریعہ اپنے خیالات سے اس موقع پر جمع ہونے والے احباب کو آگاہ کرتا ہوں اور چند معزز دوستوں کے ہاتھ اس تحریر کو ارسال کرتا ہوں کہ تا جن دوستوں کے دلوں پر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس تحریر کا کوئی اثر ہو وہ زبانی بھی میرے قائمقاموں سے اس میں درج شدہ مسائل پر تبادلہ خیالات کر سکیں۔''

حضور نے تحریر فرمایا کہ مَیں نے گذشتہ ستمبر میں تحریر کے ذریعہ اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ اس تحریک کی بنیاد اس بات پر رکھنی چاہئے کہ سلطان ترکی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کے نزدیک خلیفہ ہیں اور باقی مسلمان بھی ان سے مسلمان بادشاہ ہونے کی وجہ سے ہمدردی رکھتے ہیں تو کوئی فرقے اپنے آپ کو اس تحریک سے علیحدہ نہ رکھتے۔اور اس وقت جب کہ عرب ترکوں سے صلح کے لئے آمادہ ہو رہے تھے انہیں یہ کہنے کی ضرورت نہ پیش آتی کہ

خلافت صرف قریش کے لئے مخصوص ہے۔اور اگر یہ تجویز قبول کر لی جاتی تو عرب کے وہابی فرقہ کو بھی اس تحریک میں شامل ہونے پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔اور اس بنیاد پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا تھا کہ مسلمانوں کے جذبات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترکی سے بھی اسی طرح معاملہ کیا جائے جس طرح دوسری عیسائی حکومتوں سے کیا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے حضور نے ستمبر 1919ء کی کانفرنس میں یہ پیغام بھجوایا تھا کہ پہلے اپنے موقف کے حق میں دلائل جمع کرنے چاہئیں اور پھر مختلف ممالک میں مستقل طریق اپنے موقف کو پہنچایا جائے۔حضور نے اس دوسرے پیغام میں فرمایا کہ اس مشورہ پر صحیح طرح عمل نہیں کیا گیا۔حضور نے تحریر فرمایا:

''اور اگر اس کام کو تکمیل پر پہنچانے کے متعلق جو بات میں نے لکھی تھی اس پر عمل کیا جاتا تو یقیناً شرائطِ صلح موجودہ شرائط سے مختلف ہوتیں۔وفود کا بھیجا جانا اس قدر معرضِ التوا میں ڈالا گیا کہ عمل کا وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔امریکہ کی طرف کوئی وفد نہیں بھیجا گیا۔عراق، شام، عرب اور قسطنطنیہ کی طرف وفد بھیجے جانے ضروری تھے مگر اس کا کچھ خیال نہیں کیا گیا۔فرانس اور اٹلی کی طرف مستقل وفدوں کی ضرورت تھی مگر اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔جاپان بھی توجہ کا مستحق تھا اسے بھی نظر انداز کیا گیا۔انگلستان کی طرف وفد گیا اور وہ بھی آخری وقت میں۔ساری کوشش ہندوستان کی گورنمنٹ کو برا بھلا کہنے میں یا ان لوگوں کو گالیاں دینے میں صرف کر دی گئی جو گو ترکوں سے ہر طرح ہمدردی رکھتے تھے مگر سلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔مگر کیا گالیاں دینے سے کام ہوتے ہیں؟ کام کام کرنے سے ہوتے ہیں۔''

جب تاریخی حقائق کا جائزہ لیا جائے تو حضور کے اس ارشاد کی اہمیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔1918ء کے آخر میں ہندوستان کے مسلمانوں نے اس مسئلہ پر بے چینی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔اور 1919ء میں تو تحریکِ خلافت باقاعدہ شروع ہو چکی تھی اور جگہ جگہ ہندوستان میں جلسے جلوس ہو رہے تھے۔ستمبر 1919ء میں تو جب حضور سے مشورہ کے لئے رابطہ کیا گیا تو حضور نے باقاعدہ یہ تحریری مشورہ بھی بھجوا دیا تھا کہ اس مسئلہ پر اگر کوئی کام سنجیدگی سے کرنا ہے تو مختلف ممالک تک اپنا نقطہ نظر بھجوانا ہوگا کیونکہ فیصلہ کسی ایک ملک کے ہاتھ میں نہیں بلکہ مختلف ممالک نے مل کر کرنا ہے۔اور اس مقصد کے لئے یہ ممالک باقاعدہ اعلیٰ ترین سطح کے اجلاسات کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں مشہور Paris Peace Conference تو جنوری 1919ء میں ہوئی تھی پھر اس کے بعد پھر میٹنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا تھا اور فروری 1920ء میں لندن میں ہونے والی کانفرنس جس میں برطانیہ، اٹلی اور فرانس کے وزراءِ اعظم نے شرکت کی، اکثر فیصلے ہو بھی گئے تھے کہ سلطنتِ عثمانیہ کے حصے بخرے کس طرح کرنے ہیں۔اور دوسری طرف تحریکِ خلافت کا وفد انگلستان اور یورپ کے لئے فروری 1920ء میں روانہ ہوا تھا اور مارچ کے وسط میں جا کر اس نے پہلے سربراہ حکومت برطانیہ کے وزیرِ اعظم لائیڈ جارج سے ملاقات کی تھی۔اور اس وقت تک تو مختلف حکومتوں نے مل کر بیشتر فیصلے کر بھی لئے تھے۔اب ان پر اثر انداز ہونے کا وقت گذر چکا تھا۔اور یہ خیال غلط تھا کہ صرف ہندوستان میں دباؤ ڈالنے سے مطالبات منوائے جا سکتے ہیں کیونکہ اس معاملہ میں تو اتنے مختلف ممالک رائے پر اثر انداز ہو رہے تھے کہ خود امریکہ کے صدر اپنے چودہ نکات کو اپنے حلیفوں سے منظور نہیں کرا سکے تھے۔پھر امریکہ کی طرف وفد بھجوا کر اپنا موقف پہنچانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی حالانکہ امریکہ کے صدر ولسن یہ کوشش کر رہے تھے کہ وہ اپنے اتحادیوں سے یہ تجویز منوا سکیں کہ کسی ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک کمیشن قائم کیا جائے جو وہاں کے لوگوں کی رائے معلوم کرے۔اور برطانیہ اور فرانس اس تجویز کی حمایت نہیں کر رہے تھے۔بعد میں امریکہ نے اپنا علیحدہ کمیشن قائم کر دیا تھا۔اور ان کی حکومت تک اپنا موقف بھجوانے کا فائدہ ظاہر تھا۔اسی طرح تحریک خلافت کے قائدین یہ مطالبہ تو بار بار پیش کر رہے تھے کہ عرب ممالک کو ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ کے تحت رکھا جائے لیکن یہ زحمت نہیں کی گئی تھی کہ وہاں وفد بھجوا کر وہاں کے لیڈروں کی رائے ہی معلوم کر لی جائے کہ انہیں یہ قبول بھی ہے کہ نہیں۔اسی طرح جاپان بھی ان اجلاسات میں شامل تھا ان کے قائدین تک اپنی آواز پہنچانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ایسے بین الاقوامی مسئلہ پر جب کہ بڑی بڑی طاقتیں بھی اکیلے اپنی بات نہیں منوا سکتی تھیں خود برطانیہ بھی اپنی ساری باتیں نہیں منوا سکتا تھا۔امریکہ کا صدر بھی اپنے چودہ نکات نہیں منوا سکا تھا تو یہ امید رکھنا کہ ہندوستان میں جلسے جلوس کر کے اور برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے یا تمغے اور خطابات واپس کر کے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں محض ایک خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اس کے علاوہ حضور نے اس تحریر میں یہ تفصیلات بیان فرمائیں کہ کس طرح اس معاہدے کی شرائط طے کرتے ہوئے انصاف کے تقاضوں کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔حضور نے فرمایا کہ عراق کی آبادی کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع نہیں دیا گیا، شام کی آبادی کو صاف صاف کہنے کے باوجود کہ وہ آزاد رہنا چاہتے ہیں فرانس کے زیرِ اقتدار کر دیا گیا ہے۔اسی طرح لبنان کو فرانس کے زیرِ اقتدار کر دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔حضور نے یہ نشاندہی بھی فرمائی کہ فلسطین کو یہودی نو آبادی قرار دے دیا گیا ہے، باوجود اس کے کہ وہاں کی اکثریت مسلمان ہے۔اسی طرح ترکی کو ناجائز طور پر اپنے بعض شہروں سے محروم کر دیا گیا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے تحریر فرمایا کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اتحادی یہ شرائط نرم نہیں کریں گے اور حضور نے جائزہ پیش فرمایا کہ اب تک مختلف آراء پیش کی جا رہی ہیں کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو ہندوستان کے مسلمان کیا ردِ عمل دکھائیں۔ان میں ہجرت، برطانوی حکومت سے قطع تعلق اور بغاوت کی تجاویز پیش کی جا رہی ہیں۔حضور نے ان کا تجزیہ پیش فرمایا کہ ان میں سے ایک تجویز بھی قابلِ عمل نہیں ہے۔حضور نے متنبہ فرمایا کہ ہندوستان کی سات کروڑ آبادی اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی اور اس کو پیش کر کے سبکی کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔اور اس کو پیش کرنے والے خود بھی اس پر عمل نہیں کر رہے۔اور حکومت سے عدم تعاون کے بارے میں حضور نے تحریر فرمایا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ہندو سربرآوردہ اس وقت مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے آمادہ ہیں۔لیکن اس تجویز کی مخالفت ہندوؤں میں بہت زیادہ ہے اور یقیناً پانچ فیصدی ہندو بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔اگر مسلمان وکلاء اپنا کام چھوڑ دیں گے تو خود مسلمان اپنی دادرسی کے لئے ہندو وکلاء کی خدمات کو حاصل کریں گے اور وہ شوق سے ان کے مقدمات لیں گے اور اگر مسلمان جج استعفاء دے دیں گے تو ہندو امیدوار فوراً ان کی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھیں گے۔اگر فوجی مسلمان استعفاء دے دیں گے تو علاوہ اس کے کہ وہ فوجی قواعد کی خلاف ورزی کر کے سزا پاویں گے ان کا مستعفی ہو جانا ایسا موثر نہ ہوگا کیونکہ ہندو قوم اب فوجی خدمات کی اہمیت سے کافی طور پر واقف ہو چکی ہے اور وہ اپنے قدیم ملک کو بلا حفاظت چھوڑنے پر کبھی رضامند نہ ہو گی۔غرض ہر ملازمت کے لئے دوسری اقوام کے لوگ نہ صرف مل جاویں گے بلکہ شوق سے آگے بڑھیں گے۔کیونکہ ملازمت تلاش کرنے والوں کی ہمارے ملک میں کمی نہیں ہے۔ایسے لوگ مسلمانوں کے اس فیصلہ کو ایک نعمتِ غیر مترقبہ سمجھیں گے اور ان کی بیوقوفی پر دل ہی دل میں ہنسیں گے۔پس سوائے اس کے کہ اس فیصلہ سے لاکھوں مسلمان اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور تعلیم سے محروم ہو جاویں اور اپنے حقوق کو جو بوجہ مسلمانوں کے سرکاری ملازمتوں میں کم ہونے کے پہلے ہی تلف ہو رہے ہیں اور زیادہ خطرہ میں ڈال دیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔''

جیسا کہ ہم جائزہ لیں گے بعد میں پیش آنے والے واقعات نے یہ ثابت کیا کہ حضور نے جو راہنمائی فرمائی اس کا ایک ایک حرف سچا تھا۔اور احتجاج کے اس انداز کو اختیار کر کے مسلمانوں نے بہت بڑے نقصانات اُٹھائے۔

اس کے علاوہ حضور نے یہ تجویز سامنے رکھی کہ ایک عالمگیر لجنہ اسلامی قائم ہونی چاہئے جو اس امر کا جائزہ لے کہ ان علاقوں میں جنہیں عیسائی حکومتوں کے حوالے کیا گیا ہے کہیں مسلمانوں پر مذہبی جبر تو نہیں کیا جا رہا۔کیونکہ یورپین اور یونانیوں کا اسلام کے خلاف تعصب اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔اور یہ تنظیم

ان حالات پر نظر رکھے۔اس طرح ان قوموں کو یہ احساس بھی رہے گا کہ ان کی حرکات پر نظر رکھی ہوئی ہی اور ان کی اطلاع پوری دنیا کو ہوگی۔حضور نے فرمایا کہ بجائے اپنے جوش کو ادھر اُدھر ضائع کرنے کے اسے ایک منظم شکل میں ڈھال کر کارآمد بنایا جائے۔

بہر حال الہ آباد میں جلسہ شروع ہوا اور اس مسئلہ پر غور کر کے سفارشات مرتب کی گئیں۔یہ سفارشات حضرت مصلح موعودؓ کے دیئے گئے مشوروں کے بالکل الٹ تھیں۔اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ وائسرائے کو الٹی میٹم دیا جائے کہ وہ خلافت کے مسئلہ کو جو ایک مذہبی مسئلہ ہے طے کرادیں ورنہ ہم ترکِ موالات یعنی حکومت سے عدم تعاون پر مجبور ہوں گے۔تحریک خلافت کا وفد جون 1920ء کے آخر میں وائسرائے سے ملا اور انہیں یہ بتایا کہ یا تو آپ حکومت پر دباؤ ڈال کر صلح کے معاہدے کے بارے میں ہمارے مطالبات منظور کرائیں یا پھر ہم مجبور ہوں گے کہ یکم اگست سے ترکِ موالات کی تحریک جاری کردیں۔مہاتما گاندھی جی نے بھی وائسرائے کو تحریک خلافت کے مطالبات کے حق میں خط لکھا۔

(تحریکِ خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی ،ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی صفحہ 156)

یکم اگست کا دن آیا تو ترکِ موالات کی تحریک کا آغاز مہاتما گاندھی جی نے اپنے ان تمغوں کو واپس کر کے کیا جو انگریز حکومت نے انہیں جنگ میں خدمات پر دیئے تھے۔10/ اگست کا دن آیا تو معاہدہ کے مسودے پر دستخط ہوئے اور سلطان ترکی کے نمائندے توفیق پاشا نے بھی دستخط کر دیئے اور اس وقت مسلمانوں میں جو تبدیلی ہوئی اس کے متعلق قاضی محمد عدیل عباسی اپنی کتاب ''تحریکِ خلافت'' کے صفحہ 157 پر لکھتے ہیں:

''ادھر مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ ان میں بالکل کایا پلٹ ہو رہی تھی۔انہوں نے کھدر پہنا اور گاندھی ٹوپی اختیار کرنا کثرت سے شروع کر دیا تھا۔لمبے کرتوں اور گھٹنے پاجاموں کا رواج کالج کے طالب علموں میں بھی دیکھا جا رہا تھا اور ایک اندھے جوش میں جولائی اور اگست میں تقریباً اٹھارہ ہزار آدمی ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔ہجرت کا فتویٰ صحیح تھا یا غلط اسے علماء جانیں۔لیکن اس سے مسلمانوں کے گہرے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔''

پھر اسی کتاب کے صفحہ 159 پر لکھتے ہیں:

''رفتہ رفتہ سکولوں اور کالجوں سے لڑکے نکلنے لگے،کچہریوں سے وکلاء نے علیحدگی اختیار کرنا شروع کر دی،خطابات واپس ہونے لگے اور لوگ نوکریوں سے استعفیٰ دینے لگے۔''

واضح رہے کہ یہ ہجرت کرنے والے ،کالج سکول چھوڑنے والے ،نوکریاں ترک کرنے والے تقریباً سب کے سب مسلمان تھے اور دوسرے لوگ بڑی تیزی سے ان کی جگہ لے رہے تھے۔کس کا فائدہ اور کس کا نقصان تھا،یہ بالکل ظاہر ہے۔

6/ سے 9/ ستمبر 1920ء کو کلکتہ میں کانگرس کا خصوصی اجلاس ہوا اور اس میں بھی ترک موالات کی تحریک کی منظوری دی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ بچوں کو سرکاری یا سرکار کے امداد یافتہ سکولوں سے نکال لیا جائے اور آزاد تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں،فوج اور دیگر سٹاف عراق جا کر کام کرنے سے انکار کردیں۔تمام ممبر کونسلوں سے استعفیٰ دے دیں۔غیر ملکی کپڑوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترکی کے بارے میں فیصلہ بدلنا صرف برطانیہ کے ہاتھ میں نہیں تھا۔اگر ہندوستان کے مسلمان بچے سکول نہیں جائیں گے ،یا مسلمان فوجی عراق نہیں جائیں گے یا وہ باہر کا بنا ہوا کپڑا نہیں پہنیں گے یا کونسل میں نہیں بیٹھیں گے تو کیا امریکہ،فرانس اور اٹلی اپنے عزائم سے دستبردار ہو جائیں گے؟ ظاہر ہے ایسا ہرگز نہیں ہونا تھا۔

قاضی محمد عدیل عباسی صاحب اپنی کتاب تحریک خلافت کے صفحہ 163 پر لکھتے ہیں:

''کانگرس اور خلافت کانفرنس کے اجلاس میں ترکِ موالات کی تجویز جوش وخروش کے ساتھ منظور ہوئی۔البتہ کانگرس کے اجلاس میں مسٹر محمد علی جناح نے تنہا اس کی مخالفت میں آواز بلند کی......

''آخر اگست میں گاندھی جی کی راہنمائی میں گجرات پولیٹیکل کانفرنس صرف مسئلہ خلافت پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئی۔اس میں عدم تعاون کی مخالفت ہوئی لیکن عدم تعاون کی قرارداد 1855 آراء کی موافقت اور 823 کی مخالفت سے پاس ہوگئی۔تمام مسلمانوں نے بالاتفاق موافقت میں ووٹ دیئے بجز محمد علی جناح کے جنہوں نے مخالفت بھی کی اور ووٹ بھی مخالفت میں دیا۔''

ستمبر 1920 میں پانچ سو علماء نے بھی باقاعدہ ترکِ موالات کے حق میں فتویٰ دے دیا۔

یہاں یہ واضح ہو چکا تھا کہ اس رو کے خلاف جو آواز اُٹھائے گا اور قوم کو صحیح سمت کی طرف لے جانے کی کوشش کرے گا،اسے سب سے زیادہ اپنوں کے ہاتھ سے چلے ہوئے تیروں کا نشانہ بننا پڑے گا۔اس پس منظر میں صحیح سمت میں قوم کی راہنمائی کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

لیکن حضرت مصلح موعودؓ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ اپنی آواز قوم کے کانوں تک ایک بار پھر پہنچائیں گے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ نقصان اُٹھانے سے بچ جائیں۔چنانچہ دسمبر 1920ء میں ہی حضور نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام تھا ''ترکِ موالات اور احکامِ اسلام''۔اس کے آغاز میں ایک 'التماسِ ضروری' تحریر فرمایا اور اس میں حضور نے تحریر فرمایا کہ میں نے محض ہمدردی کی وجہ سے یہ رسالہ تحریر کیا ہے اور اس کو پڑھنے والے اس کو اپنے دوستوں اور واقفوں تک پہنچائیں۔مسلمان پہلے ہی بہت صدمہ خوردہ ہیں اور ہمیں چاہئے کہ اس خطرناک رَو کو روکنے کے لئے سعی کریں جو مزید بدنامی کا باعث بن رہی ہے۔لوگ بے شک ترکِ موالات کی مخالفت کی وجہ سے آپ کو بزدل کہیں گے لیکن وہ شخص بہادر نہیں ہوتا جو بزدل کہلانے سے ڈر جاتا ہے۔

پھر اس رسالہ کے آغاز میں حضور نے تحریر فرمایا کہ یقیناً ترکوں سے غیر منصفانہ سلوک کیا گیا اور ان سے وہ سلوک نہیں کیا گیا جو دوسرے عیسائی مفتوح ممالک سے کیا گیا ہے۔اور اتحادیوں نے وہ وعدے پورے نہیں کئے جو جنگ سے قبل بظاہر نظر آتے تھے۔اسی طرح امرتسر میں جنرل ڈائر کا جلسہ کرنے والوں پر فائر کھول دینا ایک ظالمانہ اور وحشیانہ فعل تھا۔

حضور نے بعض لوگوں کی اس بات کی تردید فرمائی کہ اب صبر کر کے بیٹھ جانا چاہئے کیونکہ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔اور فرمایا اس فیصلہ کو بدلنا ناممکنات میں سے نہیں ہے۔یہ اصولی بات بیان کرنے کے بعد حضور نے ترکِ موالات یا حکومت سے عدم تعاون اور ہجرت کی تجاویز کا تجزیہ بیان فرمایا۔ہجرت کے متعلق حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ میں نے پہلے یہ لکھا تھا کہ شرعاً یہ موقع ہجرت کا نہیں ہے اور اگر ہجرت کی بھی گئی تو چونکہ اس کا سامان آپ کے پاس نہیں ہے اس کا نقصان پہنچے گا اور دشمن کو ہنسی کا موقع ملے گا۔پھر افغانستان میں گنجائش بھی نہیں ہو گی ۔اور آخر یہی ہوا۔افغانستان جانے والے ہزاروں واپس آگئے اور ہزاروں مر گئے اور جو وہاں ہیں وہ بری حالت میں ہیں اور گذارہ کے لئے یہاں سے روپیہ طلب کر رہے ہیں۔

حضور نے تحریر فرمایا دوسری تجویز ترکِ موالات کی بتائی جارہی ہے اور یہ بھی ناقابلِ عمل ہے۔اور چونکہ اب اس مسئلہ نے بہت اہمیت حاصل کر لی ہے اس لئے میں دوبارہ اس کے متعلق اپنی تحقیق بیان کر رہا ہوں۔حضور نے ترکِ موالات کے حامیوں کی طرف سے دیئے جانے والے دلائل کا پوری طرح رد تحریر فرمایا۔اور فرمایا کہ یہ تحریک چلانے والے اسے ایک مذہبی فرض کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور اس کے باوجود بعض چیزوں میں حکومت کا بائیکاٹ کیا جارہا ہے اور بعض چیزوں میں نہیں کیا جارہا۔حضور نے اس تجزیہ کے بعد تحریر فرمایا:

''کیا ترکِ موالات کے حامیوں کے پاس ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب نہیں کہ مسٹر گاندھی نے چونکہ ایسا کہا ہے اس لئے ہم اس طرح کرتے ہیں؟ مگر میں کہتا ہوں ہم یہ نہیں کہتے کہ اس طرح نہ کرو جس طرح مسٹر گاندھی کہتے ہیں۔اگر کسی کے خیال میں مسٹر گاندھی کا پروگرام مفید اور قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے تو وہ بے شک اس پر عمل کرے۔مگر مسٹر گاندھی کے قول کو قرآن کریم کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ شریعت اس کا نام کیوں رکھا جاتا ہے؟''

جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس تحریک کا ایک تضاد یہ تھا کہ وہ ایک طرف تو ترکی کی خلافت کو حق پر سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت کے لئے انگریز حکومت کا بائیکاٹ کر رہے تھے اور دوسری طرف ترکی کے سلطان خود انگریز حکومت سے ہر طرح کا تعاون کر رہے

تھے۔ چنانچہ حضور نے تحریر فرمایا:

’’......لیکن جبکہ وہ سلطان المعظم کی خلافت کے متعلق اتنا زور دے رہے ہیں کیا کبھی انہوں نے اس امر پر بھی غور کیا ہے کہ خود سلطان المعظم نے کبھی بھی ترکِ موالات کے لئے مسلمانوں کو دعوت نہیں دی بلکہ وہ خود اتحادیوں سے صلح کرنے کے لئے تیار ہو گئے بلکہ انہوں نے صلح کر لی۔ اس صورت میں دوسرے مسلمانوں کو خصوصاً ان کو جو سلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ وہ ان کے منشاء بلکہ ان کے عمل کے خلاف کام کریں۔‘‘

اس تحریک کو چلانے والے مسلسل یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہماری تحریک پر امن تحریک ہے اور ہم گاندھی جی کے عدم تشدد کے اصول اہنسا پر کاربند ہو کر اس کو چلائیں گے۔ اور اس بات پر بار بار زور دیا جاتا تھا۔ لیکن حضور کی فراست نے اسی وقت یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا انجام تشدد پر ہوگا۔ چنانچہ اس رسالہ میں حضور نے تحریر فرمایا:

’’شاید اس جگہ یہ کہا جائے کہ ہم تو فساد نہیں کرتے لیکن یہ بات درست نہیں ترکِ موالات کا آخری نتیجہ ضرور فساد ہے......اور ابھی تو ابتداء ہے یہ فساد روز بروز اور ترقی کرے گا اور اگر اس تحریک کو ترک نہ کر دیا گیا تو مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو بھی خاک میں ملا دے گا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ عوام الناس کو کہا جائے کہ گورنمنٹ اب اس حد تک گر گئی ہے کہ اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں اور پھر وہ فساد سے باز رہیں۔ جب لوگوں کو یہ کہا جائے گا تو وہ گورنمنٹ سے وحشیوں والا سلوک کریں گے۔ ایک ملک اور ایک جگہ رہ کر اور روز مرہ کے تعلقات کی موجودگی میں سوائے خاص حالات کے ایسی تحریک کبھی امن کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔‘‘

جیسا کہ ہم بعد میں جائزہ لیں گے کہ حضور کا تجزیہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور اس تحریک نے ایک خطرناک فساد کی طرف موڑ لیا اور یہ امر اس تحریک کے خاتمہ کا ایک باعث بھی بنا۔

تحریک خلافت کا انجام

تحریک کا نقطہ آغاز اور خد و خال اور حضرت مصلح موعودؓ کے فرمودات درج کرنے کے بعد ہم مختصراً بیان کرتے ہیں کہ اس تحریک کا انجام اور حاصل کیا ہوا۔ یہ تحریک چلائی گئی اور بڑے زور سے چلائی گئی۔ بہت سی مسلمان آبادی نے اس سے اجتناب کیا اور بہت سے مسلمانوں نے اس میں شرکت کی۔ جلسے جلوس ہوئے۔ ترکِ موالات شروع ہوئی۔ لڑکوں نے سکول اور کالجوں کو خیر باد کہا۔ ان میں سے بھاری اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ بعض نے نوکریوں کو خیر باد کہا۔ ان میں سے بھی بھاری اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا اور چلتا گیا۔ نظمیں لکھی گئیں اور گائی گئیں۔ افغانستان ہجرت کرنے والوں کے المناک انجام کا جائزہ ہم لے چکے ہیں۔ گاندھی جی نے اس تحریک کی راہنمائی جاری رکھی حتیٰ کہ جب کلکتہ کے ایک سرکاری مدد یافتہ عربی اور مذہبی مدرسہ سے طلباء کو نکال کر کلکتہ کی جامع مسجد میں مدرسہ کھولا گیا اس کا افتتاح مہاتما گاندھی جی نے کیا اور طلباء کو یہ نصیحت کی کہ اس وقت اسلام خطرے میں ہے۔ خلافت تباہ کر دی گئی ہے۔ مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس لئے آپ نے جو قدم آگے بڑھایا ہے اس کو پیچھے نہ ہٹنے دیں۔ اس عربی مدرسہ کے اساتذہ کو نصیحت کرتے ہوئے مہاتما گاندھی جی نے کہا کہ طلباء کو وہ دینی تعلیم دیں جو مسلمانوں کو سچا مسلمان اور ہندوستانی بنا دے۔

(تحریکِ خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی ،، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی صفحہ 177-178)

ستمبر 1921ء کراچی میں خلافت کانفرنس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ اب فوجی ملازمت حرام ہے۔

(تحریکِ خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی ،، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی صفحہ 183)

بیچ میں یہ سکیم بھی پیش کی گئی کہ افغانستان کی فوج اور قبائل ہندوستان پر حملہ کر کے اسے آزاد کرائیں۔ اس تجویز کو پیش کرنے والے مولوی محمود حسن دیوبندی تھے۔ اب یہ بھی ایک عجیب تجویز تھی۔ افغانستان کے امیر امان اللہ اور ان کے ہم وطن اس بات پر تو آمادہ نہیں تھے کہ ہزاروں ترکِ وطن کرنے والوں کی کما حقہ مہمان نوازی کر سکیں۔ اور ان ترکِ وطن کرنے والوں کو وہاں پر طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن وہ سلطنتِ برطانیہ سے ٹکر لے کر ہندوستان کو آزاد کرا دیں گے؟ بہر حال ہندو راہنما اس تجویز پر بھڑک اُٹھے اور انہوں نے کہا کہ یہ سوراج نہیں بلکہ افغان راج قائم کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ مسلمان راہنماؤں کو بیان شائع کرنا پڑا کہ ہم تو عدم تشدد کے قائل ہیں اور اس قسم کا کوئی منصوبہ نہیں ہے۔

(تحریکِ خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی ،، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی صفحہ 186-190)

لیکن کیا ترکِ موالات کی تحریک کامیاب تھی؟ بیشک ہزاروں لوگ اس میں شرکت کر رہے تھے اور حکومت کے لئے دردِ سر بھی بنے ہوئے تھے لیکن مجموعی اثر کیا تھا۔ اس کے بارے میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کی سوانح حیات میں Stanley Wolpert لکھتے ہیں کہ ستیہ گرہ بائیکاٹ کی مہم اتنی کامیاب نہیں رہی جتنا گاندھی جی کا خیال تھا۔ بعض وکلاء نے پریکٹس ترک کر دی تھی لیکن برطانوی عدالتیں پہلے ہی کی طرح مصروف تھیں۔ سکول اور کالج کام کر رہے تھے۔ ٹرینیں اپنے وقت پر چل رہی تھیں۔ جیلیں بھر گئی تھیں لیکن پولیس نے کام نہیں چھوڑا تھا۔ اور فوج مکمل طور پر برطانوی راج سے وفادار رہی تھی۔

(Jinnah of Pakistan ,by Stanley Wolpert,Oxford University press Karachi 2006,P74)

یہ خیال کہ اس مہم سے حکومت مفلوج ہو جائے گی بالکل غلط ثابت ہو رہا تھا۔ اور جو بات حضور نے فرمائی تھی کہ ترکِ موالات کی تحریک غلط بھی ہے اور نا قابلِ عمل بھی ہے حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی تھی۔

لیکن اس تحریک کو ایک نیا رنگ دینے کے لئے مہاتما گاندھی جی نے برودلی کے مقام پر مکمل سول نافرمانی شروع کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ وہ خود اس تحریک کی قیادت کریں گے۔ عدم تشدد کا عہد سب باشندگانِ برودلی سے لیا گیا۔ اور اعلان کیا گیا کہ یہ سول نافرمانی اتنی مکمل ہوگی کہ اگر حکومت کہے گی کہ دائیں مڑ جاؤ تو سب بائیں مڑ جائیں گے۔ مہاتما گاندھی جی خود اس کی قیادت کرنے کے لئے برودلی پہنچ گئے۔ لیکن فروری 1922ء میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے اس تحریک کو نیم مردہ کر دیا۔

جیسا کہ ہم پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ تحریک چلانے والوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ یہ تحریک مکمل طور پر تشدد سے پاک رہے گی لیکن حضرت مصلح موعودؓ نے پہلے ہی متنبہ فرمایا تھا کہ اس کی طرز ہی ایسی ہے کہ اس کا انجام فساد پر ہو گا اور یہ تشدد سے پاک نہیں رہ سکے گی۔ چنانچہ فروری 1922ء میں چورا چوری کے مقام پر ایسا واقعہ ہوا جس نے یہ ثابت کر دیا کہ حضور نے بالکل درست راہنمائی فرمائی تھی۔ چورا چوری مقام پر اس تحریک کا ایک جلوس نکلا اور ختم ہو گیا لیکن واپس جانے والوں کا پولیس سے جھگڑا ہو گیا۔ پولیس نے فائرنگ شروع کی اور تین مظاہرین مارے گئے۔ پولیس والوں کو تھانے میں پناہ لینی پڑی۔ مجمع نے تھانے کو آگ لگا دی۔ جب پولیس والے باہر نکلے تو ہجوم نے 22 پولیس والوں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اس پر مزید ظلم یہ کہ ان کی لاشوں کے ٹکڑوں کو آگ میں پھینکا۔ مہاتما گاندھی جی نے اس پر تحریک روک دینے کا اعلان کیا اور کہا کہ ابھی تک قوم میں عدم تشدد پیدا نہیں ہوا اس لئے اس تحریک کو ختم کیا جاتا ہے۔ اب وہ وقت آ رہا تھا کہ ہندو عوام بھی اس تحریک میں بھرپور حصہ لیں لیکن اس مرحلہ پر یہ تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ہر طرف سے احتجاج کے خط لکھے گئے لیکن مہاتما گاندھی جی نے اس فیصلہ کو بدلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خدا نے مجھے چورا چوری کے ذریعہ متنبہ کیا ہے۔ یہ وہ دن تھا جب اس تحریک کی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اور پھر مہاتما گاندھی جی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ان کی گرفتاری کے بعد کانگرس نے ایک کمیشن قائم کیا کہ سول نافرمانی یا ترکِ موالات کی تحریک کے قابلِ عمل ہونے کا جائزہ لے۔ اس کمیشن نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ

یہ تحریک اس وقت نا قابلِ عمل ہے۔حضور نے فرمایا تھا کہ یہ تحریک نا قابلِ عمل ہے۔اور بہت سا نقصان اُٹھا کر یہی بات صحیح ثابت ہو رہی تھی۔

اب دوسری طرف جب ترکی میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ سلطان ترکی وحید الدین نے معاہدہ سیورے پر دستخط کر دیئے ہیں تو وہ ان کے خلاف بھڑک اُٹھے اور ان کی راہنمائی میں بغاوت کھڑی کر دی۔پہلے پہلے مصطفیٰ کمال پاشا کی فوج نے قابض اتحادی افواج کو شکست پر شکست دینی شروع کی اور سلطانِ ترکی کی بچی کھچی فوج کو بھی ختم کیا۔اور اتحادی ابھی اس پوزیشن میں تھے کہ مزید فوج ترکی بھجوا سکیں۔لیکن پھر یونان نے کچھ علاقوں کے عوض مقابلہ شروع کیا اور مصطفیٰ کمال پاشا کی افواج کو زبردست نقصان پہنچا۔لیکن پھر پانسا پلٹا اور ان افواج کو کامیابیاں ملنی شروع ہوئیں۔اتحادیوں نے بھی یونان کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا۔اب مصطفیٰ کمال پاشا کی فوج کو ایک کے بعد دوسری کامیابی مل رہی تھی۔جب ان کا اعتماد بڑھا تو نومبر 1922ء میں مصطفی کمال پاشا نے خلافتِ عثمانیہ کو بے اختیار کر دیا اور سلطنت کو خلافت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔سلطان وحید الدین کو برطرف کر دیا گیا اور انہوں نے انگریز کمانڈر سے مدد کی درخواست کی اور انگریز فوج نے انہیں محل سے نکال کر ایک بحری جہاز میں پہنچایا،جس پر پہنچ کر وہ ہمیشہ کے لئے ترکی سے روانہ ہو گئے۔انہوں نے زندگی کے آخری ایام اٹلی میں گذارے۔

یہاں پر یہ سوال اُٹھتا ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک سلطان وحیدالدین واجب الاطاعت خلیفہ تھے انہیں چاہئے تھا کہ اس مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیتے اور ان کی حمایت کے لئے میدان میں آتے ۔مگر ہوا کیا؟ان میں سے کوئی غریب الوطنی کی حالت میں انہیں ملنے تک نہیں گیا اور انہیں اٹلی میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔ان کے قریبی رشتہ دار عبدالمجید کو نیا خلیفہ چنا گیا مگر بغیر اختیار کے۔

اب تحریک خلافت والے کیا کر رہے تھے ۔بجائے سابق سلطان وحید الدین جنہیں کل تک وہ خلیفہ کہہ رہے تھے انہیں بچانے کے انہوں نے انہی پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا دسمبر 1922ء میں گیآ میں جو خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا اس میں سلطان وحید الدین پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے ذاتی مفادات پر اپنے مذہبی اور ملکی مفادات کو قربان کر دیا تھا۔اور یہ قرارداد منظور کی گئی کہ نئے خلیفہ کا انتخاب عین اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہوا ہے۔اور مصطفیٰ کمال پاشا جنہوں نے سابق خلیفہ کو معزول کیا تھا انہیں تحریک خلافت والوں نے مجاہدِ خلافت کا لقب دیا۔اور گیا میں جمیعۃ العلماء اسلام کا اجلاس ہوا اور اس میں اعلان کیا گیا کہ خلیفہ منتخب بھی ہوسکتا ہے،مقرر بھی ہوسکتا ہے اور اسے معزول بھی کیا جا سکتا ہے۔لیکن خلافت کو سلطنت سے علیحدہ کرنا جائز نہیں اور اس اجلاس میں مصطفیٰ کمال پاشا کو مجتہد بھی قرار دے دیا گیا۔اور نئے خلیفہ سلطان عبد المجید کو اپنی بیعت کا پیغام بھجوایا گیا ۔اور ابھی ان کے سابق خلیفہ زندہ موجود اور اٹلی میں بے یار و مددگار زندگی گزار رہے تھے۔اور اپنے سابق خلیفہ کے متعلق ایک کانفرنس میں تحریک خلافت والوں نے یہ کہا کہ ان کے اعمال تاریخ کی بدترین بد دیانتی تھے،شیطانیت تھے۔انہیں مردود اور مقہور کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔اور یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اگر انہیں ہندوستان لایا گیا تو ہندوستان کے مسلمان ان کا بائیکاٹ کر دیں گے اور ہندوستان کے مسلمان ان سے شدید نفرت کرتے ہیں اور اس کی ذمہ داری ان کے افعالِ قبیحہ پر عائد ہوتی ہے۔انہوں نے ہمارے مذہب کے عزت و وقار کو خاک میں ملانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

(تحریکِ خلافت،مصنفہ ڈاکٹر میم کمال اوکے ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار،سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور 1991، صفحہ 175،180،195، 200)

کل تک تو اس شخص کو واجب الاطاعت خلیفہ کہا جا رہا تھا اور اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا جا رہا تھا اور آج اس کی شان میں یہ بد زبانی کہ انسان کانپ اُٹھتا ہے۔یہ اتنے زہریلے اور خطرناک رجحانات ہیں کہ ان پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔پہلے حضرت مصلح موعود نے اس تحریک کے قائدین کو یہ پیغام بھجوایا تھا کہ وہ حکومت کا بائیکاٹ نہ کریں لیکن یہ مصر تھے کہ ہم اس شخص کی خاطر جسے ہم خلیفہ سمجھتے ہیں حکومت کا بائیکاٹ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور آج وہ یہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم اپنے سابق خلیفہ کا بائیکاٹ کر دیں گے۔جماعتِ احمدیہ نے سلطان وحید الدین کو کبھی خلیفہ نہیں سمجھا اور نہ سمجھ سکتی تھی لیکن جب انہیں اقتدار سے محروم کر دیا گیا تو اس انداز میں ان پر حملے بھی نہیں کئے۔آخر دنیا میں اخلاق اور شرافت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔جماعتِ احمدیہ کا خلافت کے متعلق مسلک بالکل واضح ہے کہ اللہ جسے منتخب کرتا ہے خلیفہ بناتا ہے،پوری جماعت اس وجود کی بیعت کرتی ہے اور پھر ہر حال میں اس کی اطاعت کی پابند ہوتی ہے۔

بہر حال اب خلافت کمیٹی نے ترکی کی مدد کے لئے ہندوستان میں فوج بھرتی کرنے کا کام شروع کیا تا کہ مغربی اقوام کے خلاف ترکی کی مدد کی جا سکے۔ابھی یہ تجویز شروع ہوئے چند ماہ ہی ہوئے تھے اور ابھی فارموں کو ہی پر کیا جا رہا تھا کہ اتا ترک مصطفیٰ کمال پاشا نے جون 1923 میں ان مغربی اقوام سے صلح کا معاہدہ کرلیا جو کہ treaty of Laussane کے نام سے معروف ہے اور اس میں ملک ترکی کے تمام شہروں پر ترکی کی عملداری کو تسلیم کرالیا اور وہ شرائط بھی ختم کر دی گئیں جن میں ترکی کی حکومت کے لئے ضروری تھا کہ وہ مغربی طاقتوں سے مشورہ کرے۔لیکن سلطنتِ عثمانیہ میں شامل دیگر تمام ممالک میں ترکی نے اپنا عمل دخل ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔اور اس طرح عرب ممالک بھی ہمیشہ کے لئے ترکی کی عملداری سے علیحدہ ہو گئے۔اور وہ بات جو حضرت مصلح موعودؓ نے فرمائی تھی کہ اب ان عرب ممالک کی ترکی سے علیحدگی کو ایک فیصلہ شدہ امر سمجھنا چاہئے حرف بحرف پوری ہوئی۔

یہ تحریک اب ایک کے بعد دوسرے جھٹکے سے دوچار ہو رہی تھی کہ ایک اور واقعہ ہو گیا۔امیر علی صاحب اور سر آغا خان سوم نے ایک مشترکہ خط لکھا جو ترکی کے بعض اخباروں میں شائع بھی ہو گیا۔اس میں لکھا گیا تھا کہ خلافت کا مسئلہ صرف ترکی سے نہیں بلکہ تمام سُنّی مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے۔عثمانی سلطنت کو خلافت سے محروم کر دینا یا کسی اور شخص یا ادارے کو خلافت کے اختیارات سے محروم کرنے کا اختیار ساری دنیا کے سُنّی مسلمانوں کو ہے۔اس طرح نئے خلیفہ کو بھی سارے دنیا کے سُنّی مسلمان ہی منتخب کر سکتے ہیں۔یہ مراسلہ کسی بم کے گولے سے کم نہیں تھا۔جن اخبارات نے اس مراسلہ کو شائع کیا تھا ان پر مقدمات چلائے گئے۔مصطفیٰ کمال پاشا اس پر بہت غصے میں آئے اور پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا گیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ خلافتِ عثمانیہ کا بالکل خاتمہ کر دیا گیا۔اور اسی روز سلطان عبدالمجید بھی ترکی سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

ہم یہ یاد دلاتے جائیں کہ ستمبر 1919ء میں حضرت مصلح موعود نے تحریک خلافت کے اجلاس کے نام یہ تحریر فرمایا تھا کہ میرے نزدیک ترکی سے ہمدردی اور ان کی مدد کی وجہ یہ بیان کرنا کہ سلطان خلیفۃ المسلمین ہیں درست نہیں ہے اور اس بات پر زیادہ زور دینا مناسب نہیں ہے۔لیکن اس وقت تحریک چلانے والوں نے اسی روش پر اصرار کیا تھا اور آخر میں یہی بات خلافت عثمانیہ کے مکمل خاتمے کا باعث بنی۔یہ خاتمہ دسمبر 1923ء میں ہوا۔اور اس وقت تحریک خلافت والے یہ مطالبہ دہرا رہے تھے کہ حجاز پر عثمانی خلیفہ کی حکومت بحال کی جائے۔اور دوسری طرف ترکی کے وزیرِ اعظم تو یہ اعلان کر رہے تھے کہ ترکی اب دوسرے مسلمان ممالک اور اقوام کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔

جب عثمانی خلافت کے خاتمہ کی اطلاع ہندوستان پہنچی تو تحریکِ خلافت یکلخت بیٹھ گئی۔بعض مسلمانوں نے مولانا محمد علی جوہر صاحب اور ان کے ساتھیوں پر الزام لگانا شروع کیا کہ ان لوگوں نے قوم کو مغالطہ میں ڈالا ۔مولانا محمد علی جوہر کو پہلے اس خبر پر یقین ہی نہیں آیا۔وہ اسے برطانوی سازش سمجھ رہے تھے لیکن جب تصدیق ہوئی تو انہوں نے علی گڑھ کی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ترکوں نے انہیں ایک میلے رومال کی طرح استعمال کر کے پھینک دیا ہے۔اتا ترک کو تار دی گئی کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کریں لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ایک ممبر پارلیمنٹ کے ذریعہ اتا ترک کو پیغام بھجوایا گیا کہ وہ ہی خلافت کا منصب سنبھال لیں لیکن انہوں نے سنا تو غصہ سے لال پیلے ہوگئے۔اور اس تجویز کو پیش کرنے والوں کو بہت برا بھلا کہا۔

(تحریکِ خلافت ،مصنفہ ڈاکٹر میم کمال اوکے ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار، سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور 1991، صفحہ 152-156)

کچھ سال مزید اس تحریک کو بے مقصد چلایا گیا مگر اب کسی کی اس طرف توجہ نہیں ہوتی تھی ،حتیٰ کہ جن کو اجلاس کے لئے صدر نامزد کیا جاتا تھا وہ بھی اس اجلاس میں شریک نہیں ہوتے تھے۔اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے ہر طرح سے بہت سے نقصانات اُٹھائے۔ہجرت کی، نوکریاں چھوڑیں ،جیلوں کو بھرا لیکن انجام کیا ہوا۔اس پر مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔کوئی شخص ٹھوس تاریخی حقائق کی روشنی میں جائزہ لے تو اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس موقع پر صحیح راہنمائی وہی تھی جو کہ حضرت مصلح موعود نے فرمائی تھی۔کسی غیر کے لئے بھی یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ سچا خیر خواہ اور قوم کا ہمدرد کون تھا۔

(اخبار الفضل انٹرنیشنل ۱۵ فروری 2010)

بقیہ: اداریہ از صفحہ اوّل

لاہور چلا گیا اور حضرت مصلح موعودؓ کے لئے طرح طرح کی مشکلات پیدا کرتا رہا۔جماعت احمدیہ کی تاریخ میں اس گروہ کا نام لاہوری جماعت کے نام سے بھی آتا ہے۔یہ لوگ مرکز احمدیت قادیان سے الگ ہو گئے۔

قارئین! منکرین خلافت کا فتنہ اس قدر دور رس اور خطرناک تھا کہ اس کی زد میں جماعت کے بعض وہ لوگ بھی آ گئے جو ابتداً حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیعت میں شامل تھے ان میں حضرت مولوی محمد احسن امروہی صاحب کا نام بھی آتا ہے لیکن وفات سے قبل آپ دربار خلافت سے وابستہ ہو گئے لیکن آپ نے قادیان کی نسبت امروہہ میں رہنا پسند کیا اور وہیں پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔گذشتہ دنوں ماہ نومبر 2012 میں خاکسار کو امروہہ یوپی جانے کا موقعہ ملا۔خاکسار کی شدید خواہش تھی کہ مولوی محمد احسن امروہی صاحب، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جید صحابہ میں سے تھے لیکن بعض امور میں اختلاف کی وجہ سے الگ ہو گئے تھے،آپ کی قبر دیکھی جائے۔ساکنین امروہہ سے خصوصاً بڑی عمر کے باشندگان سے جب آپ کے بارہ میں دریافت کیا اکثر کو اس بات کا علم ہی نہ تھا کہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی بھی کوئی بزرگ امروہہ کے گزرے ہیں۔جماعت کے بزرگان میں سے چند ایک کو علم تھا کہ فلاں جگہ انہوں نے قبر دیکھی تھی۔ چنانچہ چند دوستوں کے ہمراہ پتہ معلوم و تلاش کرتے کرتے اُس جگہ گئے جہاں قبر کا نشان بتایا گیا تھا۔لیکن اس محلہ میں بھی لوگوں کو آپ کے بارہ میں معلوم ہی نہیں ہے۔مایوسی سے واپس لوٹ رہے تھے کہ ایک بزرگ سے اتفاقاً پوچھا وہ احسن امروہی صاحب کے بارہ میں جانتے تھے۔انہوں نے بتایا کہ یہ جگہ جو آج امروہہ کا محلہ ''شلی'' کے نام سے مشہور ہے دراصل یہ ''شاہ علی سرائے'' ہے جو مرور زمانہ سے ''شلی'' بن گیا ہے۔یہاں کی مسجد کے صحن میں مولوی محمد احسن امروہی صاحب کی قبر موجود تھی۔مسجد کی توسیع کے وقت قبر کو منہدم کر کے مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے۔آج کوئی اس بات کا ذکر بھی نہیں کرتا کہ پہلے یہاں قبر موجود تھی۔اس بات کی گواہی ہمارے ساتھ موجود احمدی محترم سردار احمد صاحب معلم سلسلہ ساکن امروہہ نے بھی دی کہ انہوں نے بہت زمانہ قبل یہاں قبر دیکھی تھی۔بڑی کاوش اور کوشش کے بعد مولوی محمد احسن امروہی صاحب کے خاندان کی تلاش شروع کی ایک شخص مکرم سید جمال صاحب سے ملاقات ہوئی جو کہ احمدی نہ تھے۔انہوں نے کہا کہ امروہہ میں وہی ایک مولوی محمد احسن صاحب کے خاندان کے آدمی موجود ہیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خلیفہ وقت سے بعض امور میں اختلاف رکھنے کی وجہ سے اور مرکز احمدیت قادیان پر دیگر مقام کو ترجیح دینے کی وجہ سے آج ان کی قبر تک کے نشان اللہ تعالیٰ نے مٹا دئے دوسری طرف حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی سربلندی اور اقبال ہے کہ آج ایک زمانہ آپ کا نام عزت واحترام سے لے رہا ہے۔آپ کی قبر پر ہزاروں احباب روزانہ دعائیں کرتے ہیں اور آپ کے نواسہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کا نام بلند کر رہے ہیں۔کیا یہ امر اس بات کا زندہ ثبوت نہیں ہے کہ خدا کا سایہ آپ کے سر پر تھا؟

اللہ تعالیٰ حضرت مصلح موعودؓ کے جملہ ارشادات کے مطابق ہر احمدی کو اپنی زندگی خدا تعالیٰ کا حقیقی عبد بن کر اسلام اور احمدیت کی خدمت میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

(شیخ مجاہد احمد شاستری)

''مظہر اوّل و آخر مظہر حق وعُلا''

تنویر احمد ناصر۔نائب ایڈیٹر بدر قادیان

پیشگوئی مصلح موعود حق کو دیکھ کر
قدرتوں اور رحمتوں اور قربتوں کا اک نشاں
اک کلیدِ فتح و ظفر ہے خدا نے کی عطا
حق آئے برکتوں کے ساتھ ہو باطل فرار
خوبصورت پاک لڑکا بن کے آیا میہماں
فضل ربانی ، مسیحا نفس، عظیم و پُرشکوہ
کلمۃ اللہ ہے خدائے ارحم و غیور نے
ظاہری اور باطنی علموں سے پُر اُس کو کیا
اس کا سینہ تھا خدائی نور کی اک جلوہ گاہ
مظہر اوّل و آخر مظہر حق و علاء
نور آیا ہوگیا ظاہر جلالِ ایزدی
پاک تھا وہ رجس سے اور اک مقدس روح تھا
شان میں شانِ مسیحائی تھی اس کی جلوہ گر
سر پہ تھا اُس کے ہمیشہ سایہ ٔرب الوریٰ
کر گئے اکثر اسیروں کو رہا فضل عمر

سامنے آنکھوں کے آجاتا ہے وہ فرخ گہُر
فضل و احسانِ خداوندی کا بحر بیکراں
شرف دیں کا تا ہو ظاہر اور قرآں کا مرتبہ
کاذبوں اور مجرموں کی راہیں ہوں ظاہر ہزار
عنموائیل و بشیر و نور ورشک قدسیاں
پا گیا اس سے شفا، بیماریوں سے اک گروہ
خود اُسے بھیجا ہے اپنے کلمہ ٔتمجید سے
ذہن و فہم و حلم بخشا دل کو روشن کردیا
وہ خدائی نور طور سینا جس کا ہے گواہ
اُتر آیا گو زمیں پر آسماں سے خود خدا
ہوکے راضی رب نے اس میں روح اپنی پھونک دی
وہ رضائے ایزدی کے عطر سے ممسوح تھا
کردیا گھائل نگاہ ناز سے ہر فتنہ گر
تھے سبھی حیرت میں گم وہ اس قدر جلدی بڑھا
ہوگئے مشہور عالم حضرت فضل عمر

کردیا ہر ذرہ اپنا راہ مولیٰ پر فدا
بھیجتا ہے آپ پر رحمت ہر اک چھوٹا بڑا

حضرت مصلح موعودؓ اور آپ کا جذبہ تبلیغ

(ظہیر احمد خادم۔ناظر دعوت الی اللہ بھارت)

آنحضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب مسلمان اسلامی تعلیمات کو بھلا بیٹھیں گے تو ساتھ ہی آپؐ نے اسلامی تعلیمات کو اُس کی اصلی صورت میں زندہ اور قائم کرنے والے ایک امام مہدی کے آنے کی پیشگوئی بھی فرمائی ،۔جو کوئی نیا دین نہیں لائیں گے بلکہ دین اسلام کو ہی لوگوں کے دلوں میں قائم کریں گے جس کا ذکر احادیث میں ان الفاظ میں آتا ہے کہ یحی الدین ویقیم الشریعۃ کہ آنے والے مہدیؑ دین اسلام کا احیاء کریں گے اور قرآن مجید کی تعلیم کو قائم کریں گے۔

چنانچہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے احیاء دین کیلئے جس تڑپ کا اظہار فرمایا وہ حضورؑ کے اپنے الفاظ میں قارئین کے سامنے رکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

’’ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور پھر اس ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچائیں اور اس میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جائیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۹۱)

چنانچہ اس تڑپ کو لئے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے ہوشیار پور میں چلہ کشی کے دوران محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور غلبۂ اسلام کیلئے اپنے مولیٰ کریم کے حضور جو متضرعانہ دعائیں کیں اُسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشتے ہوئے آپ کو ایک پسر موعود کی خوشخبری سے نوازا اور اس سلسلہ میں فرمایا کہ تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو‘

گویا اُس پسر موعود کے ذریعہ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہوگا۔

پس یہ جذبہ اللہ تعالیٰ نے اس پسر موعود یعنی سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا اور ہر وقت آپ کو اس بات کی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کس طرح اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دنیا کے ہر انسان تک پہنچ جائے۔ چنانچہ آپ نے دنیا بھر میں بسنے والے احمدیوں کو بڑی تڑپ کے ساتھ توجہ دلائی کہ ہر احمدی اقرار کرے کہ وہ سال میں کم ازکم ایک احمدی بنائے گا اس طرح ایک سال کے اندر اندر جماعت کا دوگنا ہوجانا معمولی بات ہے...... یہ عہد جتنے لوگ کرسکیں کریں اور اپنے نام لکھادیں کہ وہ اپنی حیثیت کا کم ازکم ایک آدمی احمدی بنائیں گے۔

فرمایا: شرط یہ ہے کہ اپنے اور اپنے طبقہ کے لوگوں کو احمدی بنائیں زمیندار زمینداروں کو احمدی بنائیں ، وکیل وکیلوں کو، ڈاکٹر ڈاکٹروں کو، انجینئر انجینئروں کو بلڈر بلڈروں کو اس طرح چند سالوں میں ایسا عظیم الشان تغیر بپا کیا جاسکتا ہے کہ طوفان نوح بھی اس کے سامنے مات ہوجائے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸ فروری ۱۹۲۹ء
الفضل قادیان مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۲۹)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا خود اپنا جذبہ تبلیغ بچپن سے ہی ایک جوش دکھانے والے سمندر کی طرح تھا۔تاریخ احمدیت میں یہ واقعہ سنہرے حروف سے درج ہے۔ جب حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ہوئی تو آپ ابھی بچے ہی تھے اپنے والد کے جسد اطہر کے پاس کھڑے ہوکر عہد کیا کہ اگر ساری دنیا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دے جو مشن آپ لیکر آئے ہیں اُس کی تکمیل کیلئے میں اکیلا ہی کمر بستہ رہوں گا اور نہیں دم لوں گا جب تک کہ آپ کے اس مشن کو سرے نہ چڑھالوں۔ چنانچہ اس جذبہ کو جماعت کے ہر فرد میں پیدا کرنے کا آپؓ نے عزم فرمایا۔

حضرت المصلح الموعودؓ نے اس سلسلہ میں جو تفصیلی ارشادات فرمائے ہیں خاکسار مناسب سمجھتا ہے کہ حضورؓ کے اپنے الفاظ میں قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سچی تڑپ کے ساتھ میدان تبلیغ میں کود جانے کی توفیق بخشے۔

’’پس میں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ ہماری جماعت اس بات کو سمجھے اور خوب یاد رکھے۔ یاد رکھنا کیا میں تو یہی کہوں گا کہ سن لے اور سمجھ لے کیونکہ یاد تو وہی بات رکھی جاتی ہے جو سن اور سمجھ لی جائے۔مگر یہ بات تو ایسی ہے جسے ابھی بہتوں نے سنا ہی نہیں اور اگر سنا ہے تو سمجھا ہی نہیں ۔ پس میں یہی نہیں کہتا کہ اس بات کو یاد رکھو۔ کیونکہ بہت کم ہیں جنہیں یاد رکھنے کیلئے کہا جاسکتا ہے اور بہت ایسے ہیں جنہوں نے سنا ہی نہیں۔اس لئے میں کہتا ہوں وہ سنیں اور جنہوں نے سنا ہے۔ وہ یاد رکھیں۔اور جنہوں نے یاد کر کے بھلا دیا ہے وہ یاد کریں۔اور یاد رکھیں کہ تبلیغ اور سچے سلسلہ کی اشاعت مولویوں کے ذریعہ نہیں ہوا کرتی۔مولویوں کا اور کام ہوا کرتا ہے۔ان کی مثال خزانچی کی سی ہوتی ہے۔ اور ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ ہتھیاروں اور دوسرے سامان کو جمع کریں اور اس کی حفاظت کریں وہ افسر، لیڈر اور خزانچی کا کام دے سکتے ہیں ۔ نہ یہ کہ تمام فوج ان سے بھرتی کی جائے۔

جس طرح کوئی فوج ایسی نہیں ہوتی کہ جس میں تمام افسر ہی افسر ہوں اور وہ دشمن سے لڑکر فتح پائیں۔اسی طرح کوئی سلسلہ ترقی نہیں کرسکتا۔جس کا سارا کام صرف علماء کے سپرد ہو۔اور شریعت نے تبلیغ کا کام صرف علماء ہی کے سپرد نہیں کیا بلکہ کہا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔

(ال عمران:۱۱۱)

اس میں سب کو مخاطب کیا گیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ صرف علماء لوگوں کو تبلیغ کرنے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ تم سب دُنیا کے فائدہ کیلئے پیدا کئے گئے ہو۔

پس ہر ایک وہ شخص جو اسلام قبول کرتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ ہر ایک وہ شخص جو احمدیت قبول کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ تبلیغ کرے۔ کیونکہ کوئی سلسلہ ترقی نہیں کرتا جب تک اس کی تبلیغی کوشش کا انحصار صرف علماء پر ہو۔علماء کا کام ہی اور ہے اور وہ افسروں اور راہ نماؤں کا کام دے سکتے ہیں۔

جس طرح افسر فوجی سپاہیوں کا سارا کام سرانجام نہیں دے سکتے ۔ اسی طرح علماء بھی تبلیغ کا سارا کام نہیں کرسکتے ۔ ان کیلئے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو انکی نگہداشت میں کام کریں اور ان سے تربیت حاصل کر کے خود عمل کریں کیونکہ دوسرے لوگوں کو عوام کے ساتھ ملنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔اور اس میل جول سے جس قدر ان کو لوگوں کی طبائع کی واقفیت ہوتی ہے، اتنی علماء کو نہیں ہوتی کیونکہ عوام علماء سے نہیں ملتے اور نہ ملنا چاہتے ہیں۔ دیکھو عام لوگ عیسائیوں سے ملتے اور باتیں کرتے ہیں کیونکہ ان سے نڈر ہوتے ہیں۔اور علماء کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اگر ہم انکے پاس گئے تو شکار ہو جائیں گے لیکن اگر ہماری جماعت کے عام لوگ اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کرلیں کہ ملنے والوں کو پکڑ سکیں تو جو شخص ان سے ملے گا وہ شکار ہوجائے گا۔

پس صرف علماء پر تبلیغ کا دارومدار رکھنا درست نہیں اور اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایسے محدود اور تنگ حلقہ میں تبلیغ کو محصور کر دیا جائے کہ جس سے نکل ہی نہ سکے کیونکہ کوئی بڑا ہی شوقین، جوش والا اور تیز طبع رکھنے والا ہو۔تو علماء کے پاس آنے کی جرأت کرے گا۔ ورنہ جب عوام کو معلوم ہو کہ یہ علماء ہیں تو کہیں گے کہ ہم مولوی ثناء اللہ کو لائیں گے تب باتیں سنیں گے۔تو علماء کا کام لیڈری اور راہ نمائی ہے اور یہ کام کہ عوام کے اندر گھس کر ان کو تبلیغ کریں ،عام لوگوں کا ہے۔وہی ان کے اندر جا کر ڈائنا میٹ کا کام دے سکتے ہیں۔جس طرح عمارت کے نیچے بارود رکھ کر آگ دینے سے وہ اڑ جاتی ہے۔اسی طرح عوام لوگوں کے اندر گھس کر کام دے سکتے ہیں۔اس لئے ہماری جماعت کے ہر ایک شخص کو اس طرف متوجہ ہونا چاہئے اور تبلیغ میں لگ جانا چاہئے۔

پھر یہ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ تبلیغ صرف دلائل سے نہیں ہوتی۔تبلیغ اخلاق، محبت ، پیار اور اُلفت سے ہوتی ہے۔جس کے دل میں کسی کا درد ہوتا ہے۔اس کی طرف وہ خود بخود کھینچا چلا آتا ہے۔تم اس طریق کو بدل دو جو بحث مباحثہ کا ہے۔اس طرز عمل کو بدل دو کہ وفاتِ مسیح کی دلیل کا جواب جب کوئی نہ دے سکے تو اس پر قہقہہ لگایا جائے کہ چپ ہوگیا ہے ۔تم اس طریق پر عمل کرو کہ تمہیں ہارنا منظور ہو مگر تمہاری باتوں میں ہمدردی اور اخلاص پایا

جائے۔ یہ طریق ہے کامیابی حاصل کرنے کا۔ وہ شخص جو بحث اس لئے کرتا ہے کہ مجلس میں اپنا رنگ جمائے۔ اس کی باتوں کا اثر صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ لوگ ہنس دیتے ہیں مگر وہ جو اس لئے بحث کرتا ہے کہ لوگ ہدایت پائیں۔ اس کی باتوں کا اثر گہرا ہوتا ہے۔

مگر بہت لوگ ایسے ہیں جو بحث بحث کیلئے کرتے ہیں اور یہ بات مدنظر رکھ کر دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں کہ انہیں ایسے دلائل معلوم ہیں جن سے مخالف کو چپ کرادیں اور لوگوں میں بتائیں کہ وہ کیسا کمزور اور بے علم ہے حالانکہ صداقت کے پہنچانے اور ہدایت کی طرف لانے کا یہ ذریعہ نہیں ہے۔

بعض اوقات کسی شریر کے مقابلہ میں یہ ذریعہ بھی استعمال کرنا پڑتا ہے جب کہ وہ عوام پر اس طرح اثر ڈالنا چاہتا ہو کہ میں بڑا عالم ہوں اور میرا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، لیکن عوام کیلئے یہ طرز عمل مفید نہیں ہوسکتا۔ ان کے لئے یہی ہے کہ محبت اخلاص اور ہمدردی سے انہیں سمجھایا جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اثر کرجاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی تو بڑا تغیر پیدا کردیتا ہے اور دوسرا ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پاس رہنے والوں کو بھی متاثر نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ اس کے دل میں وہ جوش وہ تڑپ وہ ہمدردی وہ اخلاص نہیں ہوتا۔ جو دوسرے کے دل میں ہوتا ہے۔

تو خالی دلائل سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ جب تک اپنے اندر محبت۔ اخلاص سوز اور گداز نہ ہو۔ یہ اپنے اندر پیدا کرو۔ ان کے پیدا ہونے پر خود بخود تمہاری باتوں کا لوگوں پر اثر ہوگا اور اگر تم منہ سے نہ بھی بولو گے تو بھی تمہارے قلب کا اثر کام کرتا رہے گا۔ صلحاء اور اولیاء کی مجلسوں میں بیٹھنے کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس کیلئے ان کے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے سانس لینے، ان کے دیکھنے اور ان کے چھونے میں بڑا اثر ہوتا ہے، اور ان کے جسم سے نورانی شعاعیں نکلتی ہیں۔ ان کا اثر ہوتا ہے پس اپنے اندر وہ سوز اور گداز پیدا کرو کہ لوگ خود بخود تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں اور ہر ایک اس فرض کو سمجھے تا ایسا نہ ہو کہ ہماری کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلے۔

اوّل یہ سن لو کہ ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ اشاعتِ اسلام کرے۔ پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اس کے لئے جو ذرائع ہیں جب تک ان سے کام نہ لیا جائے، نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ تمہارے دل میں لوگوں کا پیار، محبت اخلاص ہونا چاہئے اور ان کے لئے اپنے اندر قربانی کے جذبات پیدا کرنے چاہئیں اس کو دیکھ کر لوگوں میں تمہاری باتیں سننے، سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا خیال ہوگا، لیکن اگر تم کسی پر اس طرح کوئی اثر نہیں ڈال سکتے اور اس کو اپنی باتوں کی طرف متوجہ نہیں کرسکتے تو پھر دلائل سنانے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ عملی طور پر انہیں اپنی ہمدردی اور اخلاص کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے اور جب کسی کے اندر ہمدردی اور اخلاص اور درد پیدا ہوجائے تو پھر اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی، خود بخود اس کا احساس ہونے لگ جاتا ہے۔ بیٹری پکڑو تو آپ ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں بجلی ہے۔ اسی طرح جس کے دل میں خدا کی محبت اور اخلاص ہو وہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرنے لگ جاتا ہے اور اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جس کے پاس سے گزرتا ہے وہ خود بخود اس سے متاثر ہوجاتا ہے۔

دیکھو مقناطیس کے ساتھ لوہے کو اُٹھا کر رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مقناطیس خود بخود لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو قوتِ مقناطیسی اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے اس کو بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی، خود بخود اس کا اثر پڑتا ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ گونگا بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ وہ زبان سے بھی کام لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی طرح آنکھ سے دیکھتا، ہاتھ سے چھوتا ہے مگر اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اس سے دوسرے کا قلب صاف ہوگا۔ وہ نگاہ ڈالتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کا اثر ہوگا۔ وہ بات کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بے اثر نہ رہے گی۔ اسی طرح وہ اپنے ہر ایک عضو کو اثر ڈالنے کیلئے استعمال کرتا ہے اور جب وہ اس قدر ہتھیاروں سے کام لیتا ہے۔ تو پھر اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پس جس کی زبان، آنکھ، قلب اور جسم میں اثر پیدا ہوجاتا ہے اس کے اندر آگ نمودار ہوجاتی ہے اور جہاں آگ ہوگی، اثر کئے بغیر نہیں رہے گی۔ اگر کسی مکان میں آگ جلادو تو وہ گرم ہو جائے گا۔ اسی طرح جب کسی انسان کے اندر خدا کی محبت کی آگ پیدا ہوتی اور قلب میں ہمدردی کی آگ بھڑکتی ہے تو جسم زبان، آنکھ، ہاتھ میں اس کی تاثیر آجاتی ہے۔

پس تم اپنے اندر ایسی آگ پیدا کرو اور اس کو پیدا کرکے لوگوں سے اخلاص اور محبت سے بات چیت کرو۔ کسی مسئلہ کے متعلق دلائل جاننے کا ثبوت دینے کیلئے نہیں۔ بحث کرنے کے لئے نہیں، چپ کرانے کیلئے نہیں بلکہ اس طرح ان سے ہمدردی کرو جس طرح ڈوبنے والے کو بچانے کیلئے کی جاتی ہے۔

تم مقناطیس بن جاؤ کہ لوگ خود بخود کھنچے آئیں۔ تم آگ ہو جاؤ کہ لوگوں کے خس و خاشاک جل جائیں اور تمہارے ذریعہ پاک و صاف ہو جائیں۔ لیکن اگر تم نے علماء پر بھروسہ رکھا اور خود کچھ نہ کیا تو قیامت آجائے گی مگر تم وہ دن نہ دیکھو گے جو کامیابی کا دن ہے اور اس فرض کو پورا نہ کرسکو گے جس کیلئے کھڑے کئے گئے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق دے کہ وہ تبلیغ دین میں پوری کوشش اور ہمت سے لگ جائے اور ایسے طریق اختیار کرے جو کامیابی کیلئے مقرر ہیں"۔

(الفضل ۱۵ نومبر ۱۹۲۰ء)

❀❀❀

بقیہ: اور ٹرین رُک گئی از صفحہ ۴۰

بیٹے پرویز، امتیاز اور جاوید آئے ہوئے تھے کہ حضورؒ کی وفات کی خبر ملی میرے پاس ایک فور وھیل جیپ تھی فوراً اسی پر ربوہ جانے کا پروگرام بنالیا جب میر پور خاص پہنچے تو ایک وکیل صاحب سے ملاقات ہوئی انکو بتایا گیا کہ ہم حضور کی وفات کی وجہ سے ربوہ جارہے ہیں وہ وکیل صاحب غیر احمدی تھے مگر اُنہوں نے مشورہ دیا کہ اس جیپ پر کب پہنچو گے مجھے تو زیادہ سے زیادہ اپنے فارم ہاؤس پر جانا ہوتا ہے تم میری کار لے جاؤ اور جیپ چھوڑ جاؤ ڈرائیور تو ہم سب ہی تھے مگر پرویز نے نان سٹاپ سولہ گھنٹے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ربوہ پہنچادیا اور پھر چہرہ دیکھنا اور جنازہ میں شرکت اور پہلے ہی دن بیعت نصیب ہوئی۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات کے وقت خاکسار تبلیغ کی غرض سے ہنگری میں مقیم تھا اطلاع ملنے پر جرمنی میں اپنے بیٹے سے بات کی کہ میں ٹرین پر کوبلنز پہنچ رہا ہوں وہاں سے آگے لندن جانے کے لئے خود بھی اور گاڑی تیار ہو تا کہ وقت ضائع کئے بغیر لندن روانگی ہو۔ چنانچہ ہنگری سے بارہ گھنٹے ٹرین اور پھر چھ گھنٹے لندن تک لگے اور الحمدللہ کہ جنازہ میں شرکت اور پہلے ہی دن بیعت نصیب ہوئی۔ کئی بار خیال آتا ہے کہ دراصل یہ اس تڑپ اور دعا کی قبولیت کا تسلسل ہے جس نے حضرت مصلح موعودؓ کے چہرے کے دیدار اور جنازہ میں شرکت کے لئے ٹرین کو چیچہ وطنی روک دیا تھا۔ الحمدللہ

"ایں سعادت بزور بازو نیست"

المصلح الموعود محمودؓ کی سچائی کیلئے آسمانی شہادت اور اہل پیغام

خورشید احمد پربھاکر۔ درویش قادیان

سرتاجِ انبیاء پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے پیارے معصوم پیکر جمال مہدی کلکی اوتار احمد علیہ السلام کی صداقت کیلئے آسمان کو گواہ ٹھہرایا تھا کہ امام مہدی کلکی اوتار احمد علیہ السلام کی سچائی اور پہچان کے یہ دو نشاں ہوں گے المہدی الموعود علیہ السلام کی موجودگی میں۔

۱۔ ماہ رمضان میں چاند پہلی ابیض راتوں میں سے تیرھویں کو گہنایا جائے گا۔

۲۔ اسی ماہ رمضان کی اٹھائیسویں کو سورج گرہن ہوگا۔

چنانچہ یہ گرہن اپنی جملہ شرائط کے ساتھ چودھویں صدی ہجری میں گہنائے گئے۔ جبکہ ۱۳ ویں رمضان ۱۳۱۱ھ کو چاند اور اسی ماہ رمضان میں ۲۸ ویں تاریخ ۱۳۱۱ھ کو سورج گرہن مقررہ شرائط کے مطابق وقوع میں آئے۔ ان گرہنوں کی تفصیلات حضرت احمد کلکی اوتار نے اپنی تصانیف نشان آسمانی اور نور الحق میں تحریر فرمائی ہیں۔

آسمانی شہادت

ان نشانات کو جماعت احمدیہ کے سبھی افراد نے مع اہل پیغام کے سچا تسلیم کیا۔ اہل پیغام نے ان نشانوں کی تائید کی۔ نماز خسوف و کسوف ادا کی اور لیکچر دیئے۔

ایسا خاص گرہن انسانی سازشوں، انسانی مکر و فریب و دجل حیلہ و بہانہ سے بالا ہوتا ہے۔ کیونکہ آسمان پر کسی فرقہ مولویان گرجا سے نکلنے والے دجال پوپ و پوادر پنڈت صاحبان کی دست اندازی چل نہیں سکتی۔ لامحالہ موعود مصلح۔ مجدد اور اوتار کو سچا تسلیم کر لینے کے کوئی راہِ فرار باقی نہیں رہتی۔

خدا تعالیٰ جب چاہتا ہے دنیا والوں کے سُدھار و اصلاح کیلئے اپنی طرف سے مصلح، اوتار، نبی و رسول ہر قوم میں مبعوث فرماتا ہے دیکھیں قرآن سورۃ النحل آیت ۳۷ شری مدبھگوت گیتا ادھیائے ۴ شلوک ۷۔۸) اس موعود ریفارمر کی صداقت ظاہر کرنے کیلئے کائنات سماوی کو مسخر کر کے ایک خاص یوگ گرہن برپا کرتا ہے۔

ہندوؤں کی کتب میں موعود، اوتار پیغمبر کی تائید میں آسمان پر ایک خاص یوگ اس انقلاب انگیز مصلح موعود کی بعثت سے انقلاب کے تار جڑے ہیں۔ چنانچہ اس موعود کی بعثت پر'' دورِ ضلالت'' '' دورِ صداقت'' (ست یگ) میں تبدیل ہوجاتا ہے ست یگ سے موعود اوتار کے ماننے والے ہی فیض پاتے ہیں

بشارات المصلح الموعود

(۱) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خداوند عزوجل کے حکم سے ہوشیار پور پنجاب میں نشانِ آسمانی کیلئے چلہ کشی فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے حضرت احمد علیہ السلام کی متضرعانہ دُعاؤں کو قبول فرمایا اور ڈھیروں ڈھیر بشارتوں میں ایک'' پسر موعود'' کی بشارت دی کہ:۔

'' میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں ۔۔۔ خدا نے کہا تا انہیں جو ۔۔۔ خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور اُس کے دین اور اُس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔۔۔ ایک کھلی نشانی ملے ۔۔۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا ۔۔۔''

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ اخبار ریاض ہند یکم مارچ ۱۸۸۶ امرتسر پنجاب ہند)

بشارت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ

سیدی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے دسمبر ۱۹۱۲ کو درس دیتے ہوئے پیشگوئی فرمائی کہ'' آج سے تیس برس کے بعد انشاء اللہ مجھے امید ہے کہ مجدد یعنی موعود ظاہر ہوگا۔ حیات نور صفحہ ۲۰۴) اس پیش خبری کی میعاد ۱۹۱۳ سے شمار ہوگی۔ کیونکہ ۱۹۱۲ کا سال تو گذر چکا تھا فرمودہ تیس سالہ میعاد کے پورا ہونے کا امکان شمسی سالوں کے لحاظ سے ۱۹۴۳ اور قمری سن کے مدنظر ۱۹۴۴ء میں ہوسکتا ہے۔ پیشگوئی میں مجدد موعود کی عظمت کے پیش نظر سال ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۳ کا تاریخ احمدیت اور انقلاب عالم سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کا رؤیا:

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سیدنا محمودؓ بمقام لاہور شیخ بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ آپ نے ۵۔۶ جنوری ۱۹۴۴ء بدھ و جمعرات کی درمیانی شب ایک مبشر رؤیا دیکھا۔ جس کے الہامی الفاظ اس طرح تھے۔

'' انا المسیح الموعود مثیله و خلیفته، یعنی میں مسیح موعود ہوں۔ اور اس کا مثیل اور اس کا خلیفہ ہوں۔ حضور انورؓ نے اس رؤیا کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

'' مطلب یہ ہے کہ اس کا مثیل ہونے کے لحاظ سے جو کسی کا نظیر ہوگا اور اس کے اخلاق کو اپنے اندر لے لے گا۔ وہ ایک لحاظ سے اس کا نام پانے کا مستحق ہوگا''۔

(الفضل۔ قادیان یکم فروری ۱۹۴۴ء)

'' میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے یہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے پوری کی ہے''۔

(تاریخ احمدیت جلد نہم ۵۰۳)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کا ظہور

جب پسر موعودؑ کی پیشگوئی مشتہر ہوئی تو ہندو قوم میں سے ایک نمائندہ پنڈت لیکھرام پشاوری، مصنف کلیات آریہ مسافر حضرت کلکی اوتار احمد علیہ السلام کے بالمقابل ویدک سناتن دھرم کی تائید اور اسلام مذہب کی تکذیب کیلئے میدان میں نکلا اس نے اپنے پرمیشور سے آمنے سامنے گفتگو کرنے اور الہام پانے کا دعویٰ کیا اور بڑے دھڑلے سے اعلان کیا کہ مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں قیامت تک کوئی بیٹا پیدا نہ ہوگا۔ آپؑ کا تین سال ۱۸۸۶ تا ۱۸۸۹ کے اندر اندر کلیۃ سب خاتمہ ہوجائے گا۔

(ملاحظہ فرمائیں کلیات آریہ مسافر صفحہ ۴۹۵ تا ۵۰۱)

پسر موعود کی ولادت

خداوند تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ بروز شنبہ موعود فرزند ارجمند عطا فرمایا۔ جو پنڈت لیکھرام کی آنکھوں کے سامنے پھولا پھلا۔ جبکہ اس کے بالمقابل پنڈت جی نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا۔

حضرت محمودؓ نے (۱۲ جنوری ۱۸۸۹ تا ستمبر ۱۹۶۵) لمبی عمر پائی۔ آپ کے دورِ خلافت (۱۹۱۴ تا ۱۹۶۵) میں جماعت احمدیہ دنیا کے کناروں تک پہنچ گئی اور ساتھ ہی آپ کا نام دنیا کے کناروں تک شہرت پا گیا۔ آج دنیا کے دو صد سے زائد ممالک کے صلحاؤ ابدال'' ملت کے اس فدائی پر'' عقیدت سے سلام بھیج رہے ہیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی پیشگوئی کا ظہور

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی پیشگوئی کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔ جس کی رو سے (۱۹۱۳ تا ۱۹۴۳) میعادی تیس سالہ کے پورا ہونے کا پہلا ظہور ۱۹۴۳ء اور قمری سالوں کے لحاظ سے ۱۹۴۴ بنتا ہے۔ آپؓ کی خوشخبری میں موعود، مجدد اور مصلح کے متعین الفاظ موجود ہیں۔ اس جہت سے لازمی تھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود کلکی اوتار احمد علیہ السلام کے مثیلہ و خلیفتہ، کی سچائی کی تائید میں ۱۸۹۶ کی طرح دونوں نیر انِ سماوی بھی گہنائے جائیں تاکہ انا المسیح الموعود و مثیله کا تقاضا پورا ہوسکے لیکن یہ عظیم ترین کارنامہ کسی جن و انس کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ تمام کائنات کو مسخر کر کے گرہن برپا کرسکے۔

ہندوؤں کے گرنتھوں میں خاص گرہن اور موعود مصلح محمودؓ

آسمانی مذاہب عالم کا مطالعہ کرنے سے یہ امر محقق ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں موعود مصلح کی سچائی کی تائید میں قدرت آسمان پر ایک خاص قسم کا یوگ (گرہن) برپا کرتی ہے۔ جو کچھ شرائط کے ساتھ جیئنتی کہلاتا ہے۔ یعنی وہ خاص قسم کا گرہن موعود اوتار و مصلح کی سچائی ظاہر کرنے کیلئے فتح وظفر کا پرچم کہلاتا ہے۔ موعود اوتار و مصلح کی بعثت اور یوگ کے ساتھ ست یُگ دور صداقت کا آغاز ہوجاتا ہے۔ ست یُگ سے مصلح کے ماننے والے ہی مستفیض ہوتے ہیں۔

لفظ یوگ جیئنتی دیسی زبانوں میں کامیابی، فتح اور فتح کا پرچم اور موعود مصلح کیلئے آسمانی گواہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو۔ گرو گرنتھ صاحب آد صفحہ ۱۴۰۳۔ بھاٹوں کے سویّے بانی گورو رام داس۔ چوتھے گورو زیر لفظ رویندر جیو) عام گرہن جینتی نہیں ہوتا۔ جیئنتی یوگ گرہن صرف موعود کی سچائی کی تائید میں قدرت برپا کرتی ہے۔

لغت کی رو سے خاص یوگ گرہن جیئنتی

”جیوتش میں تیرھویں آٹھویں اور تیسری تاریخ میں خاص یوگ جیئنتی کہلاتا ہے یعنی فتح اور فتح کا جھنڈا“

(پدمچندکوش صفحہ ۲۱۱)

جیوتش شاستر کی رو سے خاص یوگ:۔ کسی مصلح و ریفارمر کی صداقت کی تائید میں یوگ، جو جیئنتی کہلاتا ہے۔ تب ظاہر ہوتا ہے۔ جب

यदा चन्द्रश्च सूर्यश्च तथा तिष्य बृहस्पती ।
एक राशौ समेष्यन्ति तथा भवति तत्कृतम् ।।

(شریمد بھاگوت مہاپوران) اسکند ۱۲ ادھیائے ۲ شلوک ۲۴)

تشیہ اور برہسپتی کو ”دوندو سماس“ ہونے سے سنسکرت الفاظ کے یہ معانی بنتے ہیں کہ۔

”جب چندرماں اور سورج پکھ (پشیہ) نکشتر اور برہسپتی ایک منزل میں متوازی حالت میں جمع ہوتے ہیں۔ تب ست ست یُگ ہوتا ہے۔

(رسالہ چیتاونی اردو صفحہ ۴۸۔ ۱۹۴۲) مولفہ پنڈت راج نرائن جیوتشی، گڑ گانواں۔

یہ پورا یوگ ۲۰۰۰ بکرمی سمت مطابق اگست ۱۹۴۳ کو آنے والا ہے۔ کاشی کا دس سالہ پترا چھپ گیا ہے اس میں ہر مُنش دیکھ سکتا ہے اس گرہوں (ستاروں) کی سم اوستھا، متوازن حالت یہ ہے کہ یہ سب پیشہ نکھشتر کے چوتھے چرن کے آخری حصہ میں کرک راشی میں ہوں گے“

(چیتاونی ۱۹۴۲ از پنڈت راج نرائن جیوتشی شاستری)

موعود مصلح کی سچائی کی تائید میں گرہن لازمی ہوتا ہے کیونکہ ہر ست یُگ کسی موعود مصلح کا متقاضی ہوتا ہے وہ موعود شخصیت حقائق کی روشنی میں حضرت محمودؓ ہیں۔ ہندوؤں کے مذہبی گرنتھوں میں سب سے قدیم اور ضخیم رزمیہ گرنتھ مہابھارت ہے۔ اس میں بھی خاص گرہن کا ذکر ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مہابھارت کھنڈ (حصہ) ۲ صفحہ ۱۴۹۹ شلوک ۹۹ تا ۹۱ مطبع۔ گیتا پریس گورکھپور۔ یوپی ہند۔

شری گرشن جی مہاراج کی بعثت پر دواپر یُگ میں ہندو مذہب، ہندو سماج، ہندو سیاست و معاشرہ اور ان کے زمانہ میں جو جو انقلابات ہوئے۔ ان کی تفصیلات بھارتیہ سنسکرتی کی رُوپ ریکھا، مطبوعہ ۱۹۵۲ء زیر عنوان ”مہابھارت یُگ“ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مصلح موعود حضرت محمودؓ کی صداقت کا آسمانی نشان اہل پیغام پر اتمام حجت

پہلے تفصیل بیان ہوچکی ہے کہ عالمگیر جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفۃ المسیح حضرت محمودؓ نے انا المسیح الموعود۔ مثیلہ وخلیفتہٖ میں موعود مصلح ہونے کا ۱۹۴۴ میں اعلان فرمایا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے اپنی تیس سالہ ۱۹۱۳ تا ۱۹۴۳ء میعادی پیشگوئی میں فرمایا تھا کہ ۱۹۴۳ میں ایک مصلح موعود ظاہر ہوگا۔ ہندو کتب و شاستروں کا خلاصہ بھی پیش کیا جاچکا ہے کہ خداوند کریم اپنے مبعوث فرمودہ مصلح موعود کی صداقت کی تائید میں وہ ایک خاص یوگ (گرہن) آسمان پر ظاہر کرے گا جو موعود کی سچائی کیلئے جینتی، فتح کا پرچم ہوگا۔

چنانچہ بیان شدہ صداقتوں کے مطابق حضرت محمود ”موعودؓ کی تائیدات میں ۱۹۴۳ کا سال آپؓ کیلئے مرکز ومحور ہے۔ اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خوشخبری میعادی ۱۹۱۳ تا ۱۹۴۳ پر ۳۰ سال گذرے۔ (۲) حضرت محمود موعودؓ کی خلافت ۱۹۱۴ تا ۱۹۴۳ پر تیس سال پورے ہوئے۔ (۳) اسی سال اہل پیغام پر قدرت نے اتمام حجت قائم کی کہ حضرت مسیح موعود کلکی اوتار احمد علیہ السلام کے فرزند ارجمند اور مثیلہ وخلیفتہ کے موعود ہونے پر آسمان پر کسوف وخسوف کا عدیم الشان نشان ظاہر فرمایا۔ آسمان کے دونوں نیرّ ان اعظم ماہ اگست ۱۹۴۳ میں گہنائے گئے۔ ایسا ہوا کہ سارا سورج پورے کا پورا گہنا یا گیا۔ دنیا بھر سے اشنان کرنے کیلئے عقیدت مند الہ آباد کنبھ میں پہنچے۔ یہ دونوں خاص گرہن حضرت ’محمود موعودؓ کی سچائی کیلئے آسمانی گواہ ٹھہرے۔ اس اجمال کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی نصرت وتائید سماوی جیوتش کی رُو سے

سیدنا حضرت مصلح موعود کے اپنے رؤیا وکشوف اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی تیس سالہ میعادی خوشخبری بابت موعود مجدد و مصلح ۱۹۴۳ میں پوری ہونا مقدر تھی۔ سو جیوتش کی رو سے ہندو گرنتھوں، کلکی پوران وغیرہ کی بنیاد پر لکھا تھا کہ ”اب ہم دنیا کی آئندہ حالت کو مثل گذشتہ کے بیان کرتے ہیں۔“

(رسالہ چیتاونی سن اشاعت ۱۹۴۲ صفحہ ۷)

چنانچہ مشہور جیئنتی نے آئندہ پڑنے والے ۱۹۴۳ء کے خاص گرہن (یوگ جیئنتی) کے بارے میں بار بار زور دے کر بہت کچھ لکھا ہے۔ ست یُگ کے بارے میں خوب چرچا ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں خاص نوعیت کے گرہن کے وقوع پذیر ہونے پر بہتوں نے سال ۱۹۴۴ کو ست یُگ کا پہلا سال قرار دیا جبکہ اسی سال ۱۹۴۴ میں حضرت محمودؓ نے المصلح الموعود ہونے کا اعلان فرمایا۔

پنڈت راج نرائن جیوتشی نے توشری کرشن جی کے سوروپ و مثیل کی جنم کنڈلی تک اپنے رسالہ چیتاونی میں شائع کردی۔ اور لکھا ہے کہ ”موعود اوتار کا جنم ہوچکا ہے“ دراصل زائچہ موعود مصلح محمودؓ کی سچائی کا منہ بولتا نشان ہے۔ ہندو قوم کے گرنتھوں (گیتا ۴:۷:۸) میں ہر دورِ ضلالت کو ست یُگ میں تبدیل کرنے اور انسان کو باخدا بنانے کیلئے کرشن جی کا بروز مثیل ہی مبعوث ہوا کرتا ہے۔

پنڈت راج نارائن جیوتشی مصنف رسالہ چیتاونی نے اپنی کتاب میں ایک زائچہ تیار کرکے شائع کیا ہے۔ جس کی رو سے موعود مجدد کا ظہور ہوچکا ہے۔

پنڈت راج نارائن جیوتشی کے پیش نظر جیوتش کے وقت دنیا میں صرف حضرت محمود ہی ”موعود مجدد مصلح“ موجود تھے۔ اس یوگ کا ظہور جسے جیئنتی قرار دیا گیا ہے یکم اگست ۱۹۴۳ کی تاریخ کو خسوف کی شکل میں ہوا اور اسی اگست کی ۱۷ تاریخ کو ایسا زبردست کسوف ہوا جس میں پورے کا پورا سورج گہنا یا گیا۔ دیگر عقیدت مندوں کی طرح متحدہ ہندوستان کے ہمارے گاؤں چک ۳۳۲ ج ب ضلع لائلپور کے مہلا رام بھگت کنبھ الہ باد یوپی سے اشنان کرنے کے بعد آئے اور اس گرہن اور اشنان کی دلچسپ کہانیاں سنایا کرتے تھے کہ کس طرح ناگالینڈ کے ”ناگا سنت سادھو ہاتھیوں پر سج دھج کے ساتھ آتے اور ننگے نہایا کرتے تھے۔

خلاصہ: سہ گونا اتفاق

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشان کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

مصلح موعود کی صداقت کی تائید میں اگست ۱۹۴۳ء میں پڑنے والا زبردست گرہن ”موعودؓ کیلئے جیئنتی یعنی فتح کا پرچم ثابت ہوا جبکہ ۱۷ اگست ۱۹۴۳ کو پورے کا پورا سورج گہنا یا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت پر تیسواں سال چل رہا تھا۔

مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پوری ہوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود کلکی اوتار احمد علیہ السلام کی عظیم الشان غیبی پیشگوئی پوری ہوئی۔ عمر پانے والے مصلح موعود فرزند ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء بروز شنبہ کو پیدا ہوئے۔ اپنوں اور بیگانوں کی نظروں کے سامنے پھولے پھلے۔ پروان چڑھے۔ ۵۲ سال سے زیادہ عرصہ سریر خلافت پر متمکن رہے۔ سینکڑوں طوفانوں میں جماعتِ احمدیہ کی گھری ہوئی کشتی کو بحفاظت منزل مقصود پر لے گئے۔

قعرِ دریا بھنور میں تھی کشتی نوحِ قادیاں
طوفان تھا چپّو نہ تھا اور نہ ہی کوئی بادباں
اِک کرشمہ ہی تو تھا اُن کی دعاؤں کا اثر
منزل پہ کشتی لے گئے موعود مصلح قادیاں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی تیس سالہ پیشگوئی کی تصدیق یوں ہوئی کہ مصلح موعود محمودؓ کی خلافت حقہ ۱۹۱۴ تا ۱۹۴۳ پر تیسواں سال چل رہا تھا۔ دوسری طرف اہل پیغام کو قادیان سے نکلے ۱۹۱۴ تا ۱۹۴۳ بھی تیسواں سال گذر رہا تھا۔ مصلح موعودؓ نے اپنے بیٹے بیٹیوں، پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کو اپنی ہر شاخ کو پھلتے پھولتے سرسبز و شاداب ہوتے دیکھا۔ لیکن آپ کے بالمقابل مخالفوں کے تمام دعاوی کہ تین سال ۱۸۸۶ تا ۱۸۸۹ کے اندر اندر کلکی اوتار احمد علیہ السلام کا ہر لحاظ سے خاتمہ ہوجانے کا اعلان کرنے والے خود دنیا سے نابود ہوگئے۔

قدرت نے ہی یہ عظیم اتفاق محمود کی ذات کیلئے جمع کردیئے۔ پنڈت لیکھرام جی کی ناکامی اور، ابتری کی موت موعود محمود کی صداقت کا روشن نشان ہے۔

حضرت مصلح موعود سیدنا محمودؓ کا اپنا رؤیا کہ انا المسیح الموعود ومثیلہ وخلیفتہ ۱۹۴۴ میں پورا ہوا۔

فرمایا:’’میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے یہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے پوری کی ہے‘‘(تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ ۵۰۳)

حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت ۱۹۱۴ تا ۱۹۴۴ پر تیس سال پورے ہو رہے تھے۔ اس اعلان سے پہلے اہل پیغام اور جماعت احمدیہ میں پیشگوئی ’’پسر موعود‘‘ کے تعین کے بارے میں مناظرات چل رہے تھے۔ دونوں احمدی گروہوں میں تناؤ و نفرت کا پھیلاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ خدا وند تعالیٰ نے مبشر رؤیا دکھلا کر ’’پسر موعود‘‘ کی تعین فرمادی اور موعود فرزند کی آسمانی گرہن سے تائید فرمادی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی حقانی پیشگوئی کہ ۱۹۱۳ تا ۱۹۴۳ء اور قمری سن کے مطابق ۱۹۴۴ میں موعود مصلح مجدد، ظاہر ہوگا۔ ان سالوں میں موعود و مجدد اور مصلح بندہ کا ظہور اور خدائی تائیدات سے منصۂ شہود پر آیا۔

مصلح موعودؓ کی خلافت پر ۱۹۴۴ پر تیس سال پورے ہوئے جو سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الاوّل کی تیس سالہ پیشگوئی کا مرکزی نکتہ ہے۔ اسی سال ’’موعود مجدد‘‘ حضرت محمودؓ نے پسر موعود ہونے کا اعلان فرمایا جبکہ آپ کی خلافت پر تیس سال گزر رہے تھے۔ اگست ۱۹۴۳ میں قدرت نے ساری کائنات کو مسخر کرکے موعود مصلح کی صداقت کی تائید فرمائی اور جیسا کہ قدرت کا اصول ہے ماہ اگست ۱۹۴۳ میں دونوں آسمانی نیران اعظم کو موعود کی صداقت کیلئے گہنایا گیا یہ وہ آسمانی نشان ہے جو ہر موعود ریفارمر کی صداقت و تائید کیلئے ظاہر ہوتا رہا ہے۔

پس جیوتش نے اس گرہن کو خاص یوگ گرہن قرار دیا اور حضرت محمود موعود کی تائید کی۔ جھوٹوں کی تائید و نصرت کیلئے کبھی ایسا یوگ نہیں پڑا بلکہ موعود مصلح کے بالمقابل تمام دشمن ناکام و نامراد اور خائب و خاسر ہوتے رہے ہیں۔

انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور سے التماس

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص گرہن برپا کیا کہ چاند کو گرہن لگے گا۔ اور اس گرہن میں چاند بھی سورج کے ساتھ شامل ہوگا‘‘۔(سورۃ القیامہ آیت ۹ تا ۱۱) یہ خاص گرہن حضرت امام مہدی علیہ السلام کی صداقت و تائید میں ظاہر ہوا تھا۔ اسی اصول کے تحت حدیث شریف اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا آيَتَيْنِ ۔۔۔ جملہ شرائط کے ساتھ چاند ۲۱ مارچ ۱۸۹۴ کو اور سورج ۶ اپریل ۱۸۹۶ پورے کے پورے گہنائے گئے تھے۔

قادیان میں امام مہدی علیہ السلام کی موجودگی میں جملہ شرائط کے ساتھ نظر آنے والا یہ نایاب گرہن تھا۔ ۱۸۹۶ کا سال ہی ایسا واحد سال تھا جس میں سورج گرہن Amular Total قسم کا تھا۔ جو شاذ ہی وقوع میں آتا ہے۔ یہ عظیم گرہن قادیان میں بھی پورے طور پر دیکھا گیا۔

لاہوری جماعت کے اکابرین نے اور جماعت احمدیہ اشاعت اسلام لاہور نے اس خاص گرہن کو سیدنا امام مہدی احمد علیہ السلام کی صداقت کا آسمانی نشان قرار دیا اور پورے ایمان کا مظاہرہ کیا تھا۔ سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الاوّل نے پیشگوئی (نور صفحہ ۲۰۴) بابت موعود مجدد و مصلح کے ظہور کیلئے تیس سال ۱۹۱۳ تا ۱۹۴۳ کی میعاد مقرر فرمائی تھی۔ سیدنا حضرت محمود، موعود، مجدد مصلح کی صداقت کی تائید میں ۱۹۴۳ میں آسمان پر خاص گرہن ۱۷ اگست کو برپا ہوا۔ جو اپنی خاص نوعیت کے لحاظ سے جیتی یعنی فتح اور کامیابی کا آسمانی گواہ ٹھہرا۔ پیشگوئی سچی ثابت ہوئی۔

جیوتش نے اس خاص گرہن کو اوتار نبی موعود ریفارمر کی سچائی قرار دیا ہے۔ پنڈت راج نرائن نے چیتاونی ۱۹۴۲ میں اس خاص گرہن کے بارے بہت کچھ لکھا کہ ’’مصلح موعود کا ظہور ہو چکا ہے‘‘ اور ۱۹۴۴ کو ست یگ کا پہلا سال قرار دیا۔ ست یگ لامحالہ کسی موعود پیغمبر مصلح اور اوتار کا متقاضی ہوا کرتا ہے۔

اس وقت حضرت مصلح موعود۔ مجدد محمودؓ موجود تھے اور تخت خلافت پر تیس سال سے متمکن جماعت احمدیہ کی کامیاب قیادت فرما رہے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے اہل دنیا پر اتمام حجت قائم کردی ہے۔ آسمان پر مجدد موعود کی صداقت کی تائید میں نایاب قسم کا گرہن برپا کیا۔

اے غیر مبائعین بھائیو! دلی تقویٰ سے یا خدا تعالیٰ کی خاطر اپنے ایمانوں کیلئے غور کرو۔ راہِ حق کو اپناؤ۔ خلافت حقہ اسلامیہ احمدیہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلو۔ یہ ایمان کا معاملہ ہے خداوند تعالیٰ نے ایمان لانے کیلئے راہ بتادی ہے۔ آسمان سے خلافت حقہ احمدیہ کی تائید کردی۔ اب خدا سے مقابلہ کرنا عقلمندی اور دانشمندی کا طریق نہیں۔ قبول کرو اجر پاؤ گے۔

❁❁❁

ہفت روزہ بدر اب جماعتی ویب سائٹ
www.akhbarbadrqadian.in
پر بھی دستیاب ہے۔ قارئین استفادہ کرسکتے ہیں۔
خط و کتابت کیلئے ای میل کریں
badrqadian@rediffmail.com

امثال المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

امۃ السلام طاہرہ اہلیہ مکرم مولوی محمد کلیم خان صاحب مبلغ بنگلور

کلام اللہ قرآن مجید ہے۔اس میں بنی نوع انسان کی جسمانی وروحانی ترقی کے لئے سبق دیئے گئے ہیں۔اعلیٰ اور ادنیٰ سمجھ والوں کے لئے باتیں بتائی گئی ہیں ۔ اسے (یسرنا القرآن) آسان بنایا گیا ہے ۔ پڑھنے کے لئے بھی، سمجھنے کے لئے اور عمل کرنے کے لئے بھی ۔ اور تعلیم دینے کا طریقہ اور سلیقہ بہت پیارا ہے ۔ کئی جگہ مثالیں دے کر باتیں سمجھائی گئی ہیں۔خصوصًا دیر سے سمجھنے والوں کے لئے مثالیں دی گئی ہیں۔ نبی اور خلفاء بھی چونکہ اُستاد کے مقام پر ہوتے ہیں اور ہر خاص و عام کی تربیت کے لئے بعض وقت مثالیں دے دے کر سمجھایا کرتے ہیں۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے منصب خلافت پر فائز فرمایا تھا۔آپ نے بھی مثالیں دے دے کر باتیں سمجھائی ہیں ۔جس سے ادنیٰ سمجھ رکھنے والے بھی فائدہ حاصل کر لیتے ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بیان فرمودہ علمی نکتوں میں فی الوقت دو نکات اوران کی امثال پیش کی جاتی ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں عبادات کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا مقام آتا ہے ۔ انفاق فی سبیل اللہ کے مفید نتائج یا اس کی افادیت کو نہ سمجھنے والوں کو سمجھانے کے لئے ایک عام اور لطیف مثال حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے دی ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی ہے اور اس بات کے امتحان کا وقت آتا ہے کہ کون اس کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اور کون نہیں کرتا تو اکثر لوگ اس میں پاس ہونے کی کوشش نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہماری جان اور ہمارا مال ہمارے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ ہم بیچ چکے ہیں اور ہمارے پاس اس نے بطور امانت کے یہ چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔

مثال کے طور پر دیکھو کہ تم زید کو ایک چیز خرید کر دو اور کہو کہ اس کو تم اپنے پاس رکھو اور استعمال کرو۔ اگر کبھی ہمیں اس کی ضرورت ہوئی تو تم سے لے لیں گے۔ مثلاً تم زید کو ایک مکان خرید کر دو کہ تم اس میں رہو جب کبھی ہمیں اس کی ضرورت ہوگی اس وقت خالی کر دینا۔ پھر کسی وقت تم اسے جا کر کہو کہ ہم تم سے سارا مکان تو نہیں خالی کرواتے البتہ ایک کمرہ کی ضرورت ہے وہ خالی کر دو لیکن وہ آگے سے یہ کہے کہ یہ مکان تو پہلے میری ضروریات کی نسبت کم ہے پھر میں آپ کو ایک کمرہ کس طرح خالی کر دوں۔ کیا اس کے اس جواب کو تم پسند کرو گے یا کوئی اور عقلمند انسان پسند کرے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم بھی اور دوسرے بھی اس پر لعنت بھیجیں گے اور اس سے نفرت کا اظہار کریں گے۔لیکن اکثر لوگ ایسا ہی معاملہ خدا تعالیٰ سے کرتے ہیں۔لیکن نہ ان کا نفس ان کو ملامت کرتا ہے نہ دوسرے لوگ ان کو ملامت کرتے ہیں حالانکہ یہ امر نہایت قابل نفرت اور مستحق ملامت ہے۔

پھر اس سے بھی بڑھ کر قابل ملامت اور لائق نفریں یہ بات ہے کہ اگر مالک مکان رہنے والے کو یہ بھی کہے کہ تم ایک کمرہ خالی کر دو اس کا میں تمہیں کرایہ بھی دے دوں گا۔ لیکن پھر بھی وہ نہ مانے اور اللہ تعالیٰ اسی طرح فرماتا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے جب میں اپنی رکھائی ہوئی امانت میں سے کچھ لوں گا تو اس کے بدلہ میں اور بھی بہت کچھ دوں گا۔مگر پھر بھی بہت کم لوگ ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ کرتے ہیں ۔ (تقریر جلسہ سالانہ فرمودہ 27نومبر 1914، مجموعہ تقاریر جلسہ سالانہ 1914ء صفحہ 45-44،طبع اوّل ،تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 550 میں بھی اختصار کے ساتھ ایسی ہی مثال ہے)

الٰہی کلام اور انسانی فطرت ایک دوسرے کے لئے بطور جوڑے کے ہیں ۔ فرماتے ہیں ایک لفظوں میں کتاب الٰہی ہوتی ہے دوسری فطرت میں مرکوز ہوتی ہے۔

اور وہی کتاب الہامی ہوسکتی ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہو ۔ پس انسانی فطرت میں بھی کلام الٰہی ہوتی ہے مگر اسے ابھارنے کے لئے الہام کی ضرورت ہوتی ہے ۔خدا تعالیٰ نے ایک طرف تو اپنے کلام کا ایک حصہ انسان کے دماغ میں رکھ دیا اور دوسرا حصہ اس نے اپنے نبی کو دے کر بھیج دیا۔ جب یہ دونوں حصے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جاتے ہیں تو اسے خدا کی طرف سے سمجھ لیا جاتا ہے۔

(فضائل القرآن صفحہ 102 طبع اوّل)

اس مضمون کو مثال کے ساتھ سمجھانے کے لئے حضور اپنے سفر ولایت کے ایام کا ایک لطیف واقعہ بیان فرماتے ہیں:

جب ولایت (پہلے سفر 1924 کا ذکر ہے) سے واپس آیا تو جس جہاز (Ship) پر ہم سوار ہوئے اس کا چیف انجینئر ایک دن جہاز کی مشینری دکھانے کے لئے مجھے لے گیا اور دکھانے کے بعد کہنے لگا کہ آپ اپنے سیکریٹریوں کو واپس بھیج دیں میں آپ کے ساتھ ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں ۔ میں نے کہا بہت اچھا میں نے ساتھیوں کو بھیج دیا۔ جب وہ چلے گئے تو کہنے لگا آپ کے پاس مختلف ممالک کے خطوط آتے ہوں گے ۔ اگر آپ مجھے ان خطوط کے ٹکٹ بھجوا دیا کریں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ میں نے کہا اچھا اگر کوئی غیر معمولی ٹکٹ ملا تو بھیج دیا کروں گا۔ کہنے لگا میں بھی آپ کی خدمت کروں گا ۔آپ مجھ پر اعتبار کریں اور مجھ سے کام لیں ۔ پھر کہنے لگا آپ جس غرض کے لئے ولایت گئے تھے اور مجھے معلوم ہے اور وہ یہی ہے کہ آپ نے حکومت کے خلاف مشنری رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں آپ مخفی ہدایات دینے گئے تھے ۔اب آپ جو مخفی تحریریں بھیجنا چاہیں وہ میں لے جایا کروں گا۔آپ اس طرح کریں کہ کارڈ کا ایک ٹکڑا آپ اپنے مشنری کو دیں اور دوسرا میرے ذریعہ بھیجیں ۔ جب دونوں ٹکڑے ایک دوسرے کے ساتھ فِٹ ہو جایا کریں گے تو آپ کے مشنری سمجھ لیں گے کہ آپ نے جو ہدایت ان کو بھیجی ہیں وہ اصلی ہیں ۔ اس طرح وہ آپ کی ہدایات پہچان لیا کریں گے ۔اس کا یہ قیاس تو غلط تھا اور میں نے اس کی تردید بھی کی اور کہا کہ ہم اپنی حکومت کے وفادار ہیں مگر جس طرح اس نے کہا تھا کہ ایک ٹکڑا آپ اپنے مشنری کو دے دیں اور دوسرا ٹکڑا مجھے بھجوا دیں۔ جب وہ دونوں ٹکڑے مل جائیں گے تو مشنری سمجھ لے گا کہ آپ نے جو ہدایات بھیجی ہیں وہ اصلی ہیں۔

یہی حالت انسان کی روحانیت کے متعلق ہوتی ہے ۔ایک ٹکڑا کلام الٰہی کا انسان کے دماغ میں ہوتا ہے اور دوسرا ٹکڑا نبی کے پاس ہوتا ہے جب وہ دونوں فٹ ہو جاتے ہیں تو پتہ لگتا ہے کہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر فٹ نہ ہوں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایسا کلام پیش کرنے والا دھوکا باز ہے ۔ (فضائل القرآن صفحہ 102-03،طبع اوّل مشتمل بر موقعہ تقریر جلسہ سالانہ فرمودہ 29دسمبر 1929)

❁❁❁

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی کچھ یادیں کچھ باتیں

(صاحبزادہ) مرزا غلام احمد۔ ربوہ

[ماہنامہ انصار اللہ ربوہ کے حضرت مصلح موعود نمبرؓ (مئی، جون، جولائی 2009ء) میں مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب (ربوہ) کے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بیان کردہ کچھ واقعات بعنوان ''کچھ یادیں کچھ باتیں'' شائع ہوئے ہیں۔ یہ نہایت خوبصورت یادیں ماہنامہ انصار اللہ ربوہ کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ قارئین ہیں۔ (مدیر)]

بچپن میں ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی جس طرح ماں باپ، بہن بھائیوں اور دوسرے عزیزوں کے ہونے کا احساس ہوتا ہے اسی طرح ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی موجودگی اور آپ کے وجود کا احساس بھی بہت چھوٹی عمر سے ہے۔ ہمیشہ جب ہم چھٹیوں میں قادیان آتے تھے تو ہمیں خاص طور پر حضور کی خدمت میں ملانے کے لئے لے جایا جاتا تھا اور جب کبھی حضور اس شہر میں تشریف لاتے جہاں ہم رہتے تھے تو حضور ہمارے گھر قیام فرماتے اور اگر کہیں اور بھی قیام پذیر ہوتے تو ملنے کے لئے ضرور ہمارے گھر بھی تشریف لایا کرتے تھے۔

❁ سب سے پہلا واقعہ جس میں حضور کے ساتھ میرا براہ راست تعلق ہوا میرے نام کی تبدیلی کا واقعہ ہے۔ ابا جان نے میرے بڑے بھائی مرزا سعید احمد صاحب کی وفات پر حضور سے پوچھ کر میرا نام سعید رکھا تھا لیکن حضور نے اس کی اجازت صرف ابا جان کی جذباتی کیفیت کے پیش نظر دی تھی۔..........

1944ء میں جب ہم ملتان میں رہتے تھے حضرت صاحب سندھ جاتے ہوئے کچھ دن کے لئے ہمارے گھر ٹھہرے۔ میں اور میری بڑی بہن جب سکول سے واپس گھر آئے تو حضور تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے جب میں حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا تو اس وقت حضور ایک آرام کرسی پر تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ سلام کے جواب کے بعد حضور نے مجھے فرمایا ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام پر تمہارا نام احمد رکھتے ہیں۔ تم لکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام کے الفاظ ساتھ لکھ لیا کرنا۔ نیز فرمایا کہ ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گزرے ہوئے اتنا وقت نہیں ہوا کہ ہم بے تکلفی کے ساتھ آپ کا نام لے سکیں۔ شاید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام پر نام رکھتے ہوئے حضور کے پیش نظر یہ بات بھی ہو کہ اس طرح ابا جان زیادہ محسوس نہ کریں گے۔

❁ 1945ء میں ابا جان کی ریٹائرمنٹ کے بعد ہم رہائش کے لئے قادیان آ گئے اور 1947ء کی ہجرت تک وہاں پر ہی قیام پذیر رہے۔ ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں جب حضور ڈلہوزی تشریف لے گئے تو مجھے اور میری بڑی بہن کو ساتھ جانے کا موقعہ ملا۔ ابا جان اور اُمّی قادیان میں ہی رہے۔ وہاں قیام کے دوران ایک دفعہ حضور ایک دو روز کے لئے قادیان تشریف لے جا رہے تھے اور ہم سب بیت الفضل سے جو حضور کی کوٹھی تھی حضور کو رخصت کرنے کے لئے ایجنسی تک جا رہے تھے۔ ڈلہوزی میں ایجنسی وہ جگہ تھی جہاں موٹریں کھڑی کر دی جاتی تھیں۔ باقی شہر میں موٹریں لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ میری بہن نے حضور کے ساتھ قادیان جانا تھا۔ مجھے یاد ہے راستے میں چلتے چلتے حضور مجھ سے بات کرنے لگے اور مجھے پوچھا قادیان چلنا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ تم اپنے کپڑے تو ساتھ لائے ہی نہیں، پہنو گے کیا؟ پھر مذاقاً فرمانے لگے چلو میری شلوار پہن لینا۔ اس طرح میں بھی حضور کے ساتھ حضور کی موٹر میں ہی بیٹھ کر قادیان آ گیا۔ مجھے یاد ہے کہ رات ہم سوئے ہوئے تھے صبح صبح غالباً فجر کی نماز کے فوراً بعد کا وقت ہوگا کہ آوازوں سے میری آنکھ کھلی تو میں اُٹھا اور جس کمرے سے آواز آ رہی تھی اُدھر گیا تو میں نے دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں اور ان کی گود میں ایک بچہ ہے۔ اُس وقت مجھے پتہ چلا کہ رات بہن پیدا ہوئی ہے جس کو دیکھنے کے لئے حضور صبح صبح تشریف لائے ہیں۔

❁ ڈلہوزی کا ذکر آیا ہے تو ایک اور واقعہ بھی یاد آتا ہے۔ اس سفر سے پہلے کی بات ہے

حضور ڈلہوزی میں قیام پذیر تھے۔ حضرت اماں جان بھی حضور کے ساتھ تھیں اس وقت حضور کا قیام ایک کوٹھی میں تھا جس کا نام راشی تھا۔ ہم اپنی امّی کے ساتھ ڈلہوزی گئے میری بہن اور بھائی خورشید بھی ساتھ تھے اور حضرت اماں جان والے کمرے میں ٹھہرے۔ ناشتہ اور کھانا حضرت صاحب کا ہی ہوتا تھا۔ ہمارے جانے پر یہ کہنے کے بجائے کہ میرے مہمان آ گئے ہیں ناشتہ کا سامان زیادہ درکار ہوگا۔ اماں جان نے حضرت صاحب کو یہ کہلا بھیجا کہ میاں میرا گزارہ ایک ڈبل روٹی میں نہیں ہوتا زیادہ سامان بھجوایا کرو۔ یہ حضرت اماں جان کی مہمان نوازی کی صفت تھی۔ یہ نہیں کہا کہ ہمارے مہمان آ گئے ہیں۔ اماں جان کی مہمان نوازی کا یہی طریق تھا جو حضرت صاحب میں بھی پایا جاتا تھا۔ مہمان کے جذبات کا بہت زیادہ احساس آپ کو ہوتا تھا اور نہایت لطیف طریق پر آپ مہمانوں کے جذبات کا خیال فرماتے تھے۔

❁ پچھلی دفعہ بھائی خورشید نے جو واقعہ سنایا تھا وہی واقعہ میں آپ کو سنا دیتا ہوں کیونکہ آپ میں سے بہت سارے اس وقت شاید موجود نہ ہوں۔ تقسیم ہند کے بعد کی بات ہے۔ قادیان سے آنے کے بعد خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے سارے افراد لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ حضور کے قادیان سے تشریف لانے سے قبل ہمارا قیام جودھامل بلڈنگ میں تھا۔ جب حضور بھی تشریف لے آئے تو ہم جودھامل بلڈنگ کے سامنے رتن باغ میں مقیم ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سارا خاندان اور دیگر افراد جماعت بالکل تہی دامن ہو کر قادیان سے نکلے تھے اور سب کے ذرائع آمد قادیان میں ہی رہ گئے تھے۔ ان حالات میں خاندان کے تمام افراد حضرت صاحب کے مہمان تھے اور سب حضور کے دسترخوان پر ہی کھانا کھاتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جوں جوں خاندان کے افراد کا انتظام ہوتا گیا اور ذرائع آمد میسر ہوئے لوگوں نے اپنا کھانے کا انتظام خود کرنا شروع کیا۔ امّی بتایا کرتی تھیں کہ ہمارا بھی کوئی انتظام نہ ہو سکا اور آمد کی صورت نہ تھی۔ اس لئے مجھے اور تمہارے ابا جان کو بہت گھبراہٹ تھی اور شرم بھی آتی تھی کہ سب لوگ اپنا انتظام کر رہے ہیں اور ہم مجبور ہیں کہ حضرت صاحب پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ امّی کہتی تھیں کہ میں نے اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کرتی تھی کہ ایک دن حضرت اماں جان تشریف لائیں اور فرمانے لگیں کہ لڑکی! میاں (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) نے مجھے بھیجا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت سب لوگ مجھے چھوڑ رہے ہیں تم نہ مجھے چھوڑنا۔ امّی کی طرف سے کسی اظہار کے بغیر حضور نے خود ہی ہماری تکلیف کا احساس کیا اور اس تکلیف کو ایسے لطیف طریق پر دور کیا کہ جس سے عزت نفس بھی مجروح نہ ہو۔ خود بھی بات نہیں کی اماں جان کو بھجوایا اور ایسے رنگ میں اور ان الفاظ

میں پیغام بھجوایا کہ گویا حضور کا احسان ہم پر نہیں بلکہ ہم حضور کے دستر خوان پر کھانا کھا کر ان پر کوئی احسان کر رہے ہیں۔ حضرت صاحب کی ذات کا یہی حسن تھا جو بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے دلوں کو بھی موہ لیتا تھا اور بچے بھی آپ کی جانب کھنچے چلے جاتے تھے۔

❁ انہی دنوں کا ایک اور چھوٹا سا واقعہ بھی سن لیں۔ تقسیم کے بعد حضرت صاحب کے ذرائع آمد بھی محدود تھے اوپر سے سارے خاندان کے کھانے کا خرچ بھی حضرت صاحب پر تھا۔ ابتدا میں حضور نے فیصلہ فرمایا تھا کہ ہر آدمی کو ایک روٹی ملے گی۔ ایک دفعہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی ایک صاحبزادی امۃ الباری بیگم جو نواب عباس احمد خان کی بیگم ہیں، حضور کو دبا رہی تھیں۔ حضور نے آپا باری سے کہا: باری! کیا کمزوروں کی طرح دبا رہی ہو تمہارے ہاتھوں میں طاقت نہیں ہے۔ آپا باری کہنے لگیں ''چچا ابّا اِک روٹی نال تے اَینی طاقت آسکدی اے''۔ اس واقعہ یا لطیفہ کے بعد پھر ایک کی بجائے دو روٹی ہر ایک کو ملنے لگی۔

❁ قادیان کی ایک بات رہ گئی۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے تحریک فرمائی کہ احمدی اپنے ہاتھ سے کام کر کے کچھ کمائی کریں اور جو آمد ہو اسے چندہ میں دے دیں۔ حضور کے اس حکم پر قادیان کے اکثر و بیشتر احمدیوں نے کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کی۔ بڑوں کو دیکھ کر بچوں کو بھی شوق ہوا۔ چنانچہ میں نے بھی کسی سے کتابوں کی جلد سازی سیکھی تا کہ جلدیں کر کے کچھ چندہ دیا جا سکے۔ امّی نے کہیں حضرت صاحب سے ذکر کر دیا۔ میری عمر اس وقت کوئی چھ ساڑھے چھ سال ہو گی۔ حضرت صاحب نے ایک بچے کی حوصلہ افزائی کے لئے اپنی بے انتہا مصروفیات میں سے وقت نکالا اور ایک دن مجھے اپنے دفتر بلایا۔ مجھے یاد ہے مرحوم لطیف ننھا صاحب مجھے لینے آئے۔ مجھے اب تک یاد ہے ان کے ساتھ جاتے ہوئے میں اپنے آپ کو نہایت اہم تصور کر رہا تھا۔ حضور اپنے دفتر کے نیچے قائم خلافت لائبریری میں تشریف لائے اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ مجھے کچھ کتابیں دکھا کر پوچھا کہ ان کی کیا اُجرت لوں گا۔ مجھے یاد ہے کہ اخبار الفضل کی جلد کے لئے خاکسار نے 12 روپے مانگے تھے جس پر حضرت صاحب نے فرمایا یہ تو بہت زیادہ ہیں ہم تو اس سے بہت کم میں جلد کراتے ہیں۔ جس بات کا میرے پر اب تک اثر ہے وہ یہ ہے کہ سارا وقت جس میں حضرت صاحب مجھے کتابیں دکھا رہے تھے ایک دفعہ بھی مجھے یہ تاثر نہیں ہوا کہ یہ ایک مذاق یا بچے کو بہلانے کی بات ہے۔ حضور نے ایسا سنجیدہ رویہ اختیار فرمایا تھا کہ جیسے کسی بڑے شخص کے ساتھ معاملہ طے فرما رہے ہوں۔

❁ 1949ء میں ہم ربوہ آ گئے۔ ہمارے ربوہ آنے کے دو ایک ماہ بعد حضور بھی ربوہ تشریف لے آئے۔ دوسرے لوگوں کی طرح حضور کا رہائشی مکان بھی کچا تھا۔ باقی مکانوں سے صرف اتنا فرق تھا کہ حضور کے لئے بالائی منزل بنائی گئی تھی جس میں حضور رہائش پذیر ہوئے اور 1953ء تک جب تک قصر خلافت کی پختہ عمارت نہیں بن گئی وہاں ہی مقیم رہے۔ یہ عرصہ حضور نے کچے مکان میں اور بغیر بجلی کے گزارا تھا بلکہ بجلی تو پختہ قصر خلافت میں منتقل ہونے کے بھی ایک سال بعد آئی ہے۔ ان حالات میں بغیر آرام اور راحت کے معمولی سامانوں مثلاً بجلی، پانی اور فلش والے غسلخانوں کے بغیر خاندان اور جماعت کے لوگوں کا رہنا صرف اسی لئے ممکن ہوا کہ حضور بھی ان حالات میں ربوہ میں مقیم تھے۔ آج آپ سوچیں کہ بجلی بند ہوتی ہے تو ہم شور مچا دیتے ہیں۔ اس وقت بجلی ہوتی ہی نہیں تھی۔ ہر چیز میں مٹی ہوتی تھی۔ بالوں میں مٹی پڑ جاتی تھی جس کو صاف کرنے کے لئے پانی بھی کم ہوتا تھا۔

❁ حضور کے ربوہ تشریف لانے کے جلد بعد کی بات ہے ہمارے بڑے بہنوئی صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے سرگودھا میں وکالت کی پریکٹس شروع کی۔ ایک دفعہ ابّا جان، امّی اور میری بہنوں کے ساتھ ان کے پاس چند دن کے لئے سرگودھا گئے ہوئے تھے۔ مَیں ربوہ میں ہی تھا۔ ایک دن ڈاک میں مجھے ایک خط ملا جس کے لفافہ پر میرا نام تھا۔ جب مَیں نے خط کھولا تو اندر ابّا جان کا حضرت صاحب کے نام خط تھا۔ مَیں نے دیکھ کر رکھ لیا اور سوچا کہ شام کو جا کر حضرت صاحب کو دے آ ؤ ں گا۔ شام کو جب مَیں خط لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو مَیں نے دیکھا حضور دوسری منزل پر اپنے گھر کے برآمدے میں کھڑے تھے۔ مجھے داخل ہوتے دیکھ کر حضور نے اُوپر سے ہی مجھے آواز دی کہ احمد! تم کہاں غائب تھے مَیں صبح سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔ ہوا یہ تھا کہ ابّا جان نے ایک خط حضرت صاحب کے نام لکھا تھا اور ایک میرے نام۔ جب خط لفافوں میں ڈالے تو میرے خط کے لفافے پر حضرت صاحب کا نام اور پتہ لکھ دیا اور حضرت صاحب کے خط کے لفافے پر میرا نام لکھ دیا۔ اس طرح میرا خط حضرت صاحب کو مل گیا۔ اس خط میں ابّا جان نے بعض اجناس اور گڑ شکر کا لکھا تھا کہ گھر سے لے کر سرگودھا پہنچ جاؤں۔ یہ خط حضرت صاحب کو ملا اور حضرت صاحب کو مَیں جب نہ ملا تو حضور نے میرا مزید انتظار کرنے کی بجائے یہ خیال کر کے کہ پتہ نہیں کیا حالات ہیں اور کیا ضرورت پیش آ گئی ہے فوری طور پر ان تمام چیزوں کا بندوبست کروایا اور میاں عبدالرحیم احمد صاحب کو وہ تمام چیزیں دے کر سرگودھا بھجوا دیا۔

❁ یہ طریق عمل صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جس کو دوسرے کی ضرورت اور مشکل کا احساس ہو ورنہ عام آدمی ہوتا تو یہ سوچ کر کہ جس کا خط ہے وہ خود آ کر لے جائے گا اور پھر چیزیں بھجواتا رہے گا۔ لیکن حضور کی طبیعت میں دوسروں کا خیال کرنا، دوسرے کی تکلیف کا احساس کرنا اور دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنے کا جذبہ اتنا فوری تھا کہ حضور یہ برداشت ہی نہ کر سکتے تھے کہ اس انتظار میں رہتے کہ میں آ کر اپنا خط لے جاؤں۔

❁ باتوں باتوں میں مَیں واقعات کے بیان میں ترتیب نہیں رکھ سکا۔ ایک واقعہ تقسیم ہند کے کچھ عرصہ بعد کا جب ابھی حضرت صاحب بھی اور ہم لوگ بھی رتن باغ میں مقیم تھے، یاد آ گیا۔ جمعہ کا دن تھا اور جمعہ اس زمانے میں رتن باغ کے عقبی حصے میں ایک بہت بڑا باغ تھا وہاں ہوتا تھا۔ جمعہ کے وقت رتن باغ کے ایک دروازے سے حضور جمعہ پر جانے کے لئے نکلے۔ دوسرے دروازے سے مَیں نکلا۔ میری عمر اس وقت ساڑھے آٹھ سال کے قریب تھی۔ حضرت صاحب نے دیکھا کہ میں نے نکّر پہن رکھی ہے اور نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی حضرت صاحب نے مجھے ڈانٹا کہ جمعہ پڑھنے جا رہے ہو اور نکّر پہنی ہوئی ہے اور تمہارے گھٹنے ننگے ہیں؟ حضرت صاحب نے یہ خیال نہیں کیا کہ چھوٹی عمر ہے اس لئے کچھ نہ کہا جائے بلکہ تربیت کے نقطہ نظر سے فوری طور پر مجھے ٹوک کر توجہ دلائی۔

❁ تربیت کے بارے میں حضور بہت حساس تھے۔ بہت بعد کی بات ہے جب میں نے ایم اے کرنے کے بعد وقف کیا تو وقف قبول فرماتے ہوئے حضور نے مجھے ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن کریم اور حدیث کا علم حاصل کروں۔ اگرچہ میں گھر میں اور ٹی، آئی سکول میں قرآن کریم کا ترجمہ مکمل کر چکا تھا۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں تفسیر کبیر کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ دوبارہ مکرم مولانا محمد صادق صاحب سے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا اور صحیح بخاری اپنے ماموں مکرم سید داؤد احمد صاحب سے اور موطا امام مالک مکرم مولانا محمد احمد ثاقب سے پڑھی۔

اس بات کا ذکر میں اس لئے کر رہا ہوں کہ یہاں واقف زندگی بھی بیٹھے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو عملی طور پر دین کی خدمت کے لئے وقف ہیں ان کو بھی حضور کی نصیحت پر عمل کرنا چاہئے اور کام کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا چاہئے۔

❁ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں حضرت صاحب نے قرآن کریم کا مختصر نوٹس کے ساتھ ترجمہ تفسیر صغیر کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1957ء میں شائع ہوا۔ 1954ء میں ایک بدبخت نے حضور پر حملہ کیا تھا اور حضور زخمی ہو گئے تھے۔ اس حملہ کے بعد حضور کا بیشتر وقت صحت کی کمزوری کی حالت میں گزرا تھا۔ اسی کمزوری اور بیماری کی حالت میں ہی حضور نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا تھا۔ گرمیوں کے دنوں میں حضور بعض دفعہ جابہ جو

وادی سون سکیسر میں ایک مقام ہے اور اونچائی پر ہونے کی وجہ سے نسبتاً ٹھنڈا ہے، تشریف لے جاتے تھے اور وہاں ترجمہ کا کام جاری رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے بھی ایک ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ حضور کے ساتھ وہاں رہنے کا موقع ملا تھا۔ اس وقت حضور کے ساتھ چھوٹی آپا اور مہر آپا اور حضور کے ایک صاحبزادہ کے علاوہ صرف مَیں ہی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ صبح ناشتہ کرنے کے بعد حضور ترجمہ کا کام شروع فرماتے تھے۔ اس وقت حضور کس طرح کام کرتے تھے۔ صبح آٹھ بجے ناشتہ کے بعد یا ساڑھے آٹھ بجے تک بہرحال دفتر چلے جاتے تھے۔ وہاں مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب ہوتے تھے اور حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب بھی اکثر ہوتے تھے اور سارا دن کام کرتے تھے۔ گھر میں کہا یہ ہوا تھا کہ ڈیڑھ بجے مجھے کھانے کے لئے توجہ دلا دو۔ ایک آدمی جاتا تھا۔ حضرت صاحب کام کرتے رہتے تھے۔ عام طور پر یہی ہوتا تھا کہ وہ کام مسلسل جاری رہتا حتّٰی کہ ساڑھے تین چار بج جاتے تھے۔ اس وقت حضرت صاحب وہ کام بند کرتے تھے۔ پھر نمازیں جمع ہوتی تھیں، پھر کھانے پہ آتے تھے۔ اب ہمیں بھوک بہت لگتی تھی کہ حضرت صاحب تو شام ہو جاتی ہے کھانا ہی نہیں کھاتے، ہم کیا کریں۔ وہاں اِن دنوں گرمیوں میں آپ کو پتہ ہے آم بھی ہوتا ہے۔ آم حضرت صاحب کے سندھ کے باغ سے آتے تھے۔ حضرت صاحب آم کے معاملے میں جس طرح بھائی خورشید کو بھی پتہ ہے، خود پیٹی کھولتے تھے، خود ان کو نکالتے تھے اور گریڈنگ کرتے تھے، پھر جو کھانے والے ہوتے تھے، وہ رکھواتے تھے۔ کھانا ہم نے حضرت صاحب کے ساتھ کھانا ہوتا تھا۔ ہم نے یعنی میں نے اور حضور کے صاحبزادے نے جو وہاں تھے، اس کا حل یہ نکالا کہ حضور کے سندھ کے باغ سے جو آم آتے ہم دونوں وہ کھاتے رہتے تھے اور بعض اوقات اتنے آم کھا لیتے تھے کہ پھر کھانا نہیں کھایا جاتا تھا۔ دو تین روز حضرت صاحب نے ہمیں دیکھا کہ ہم کھانا ٹھیک طرح نہیں کھا رہے تو فکر مند ہو کر چھوٹی آپا سے فرمایا کہ یہ دونوں کھانا نہیں کھاتے۔ کیا پسند نہیں آیا؟ جو آم آتے تھے حضور ان کی پیٹیاں خود کھلواتے تھے اور آم پیٹی سے نکالتے تھے دوسری طرف حضرت صاحب نے یہ نوٹ کیا آم کم ہوتے جاتے ہیں۔ اس طرح حضرت صاحب کو پتہ چلا کہ دراصل ہم کھانے سے پہلے آم کھا کھا کر پیٹ بھر چکے ہوتے ہیں تو تب حضرت صاحب کی فکر دور ہوئی۔

❁ جابہ میں جو جگہ حضرت صاحب نے اپنے قیام کے لئے چنی تھی اور جہاں حضور نے اپنی کوٹھی اور صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے کچھ کوارٹر بھی بنوائے تھے کا نام حضور نے نخلہ رکھا تھا۔ حضرت صاحب کی عادت تھی کہ جہاں جاتے سارے خاندان کو بلا لیتے اور خاندان کے ان گھرانوں کو جو اپنے طور پر پہاڑ پر نہ گئے ہوں، انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ لے جاتے اور اصرار کر کے لے جاتے اور لوگوں کی تعداد سے حضرت صاحب کو کوئی گھبراہٹ نہ ہوتی۔ جو بھی ہوتا اس کو بلا لیتے تھے۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو اصرار کر کے بلاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو تقریباً زبردستی بلایا تھا۔ میاں صاحب کی عادت تھی کہ گھر سے نہیں نکلنا۔ وہ صرف حضرت صاحب کے حکم کی وجہ سے وہاں جاتے۔

❁ نخلہ کا ہی واقعہ ہے ایک بار خاندان مسیح موعود کے بہت سے افراد گرمیوں کے ایام میں وہاں جمع تھے اور سب حضور کے مہمان تھے۔ ایک روز خاندان والوں نے پکنک منانے کے لئے کلر کہار جانے کا پروگرام بنایا۔ حضور کے ساتھ صرف حضرت چھوٹی آپا، حضرت مہر آپا اور مکرم میر داؤد احمد صاحب رہ گئے اور مجھے اور حضور کے ایک صاحبزادہ کو وہ اس لئے نہ لے کر گئے کہ موٹروں میں جگہ نہ تھی۔ ہم دونوں کو اس بات پر بہت غصہ تھا۔ دوپہر کو کھانے کی میز پر حضور کو احساس ہو گیا کہ ہمیں پکنک پر ساتھ نہ جانے کا رنج ہے۔ حضور نے ہم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں لے کر نہیں گئے؟ اچھا میں تم دونوں کو کل پکنک پر لے جاؤں گا اور یہ لوگ تو صرف کلر کہار گئے ہیں مَیں تمہیں کلر کہار کے علاوہ چواسیدن شاہ بھی لے جاؤں گا اور جو آج گئے ہیں وہ کل نہیں جائیں گے۔ اگلے روز صبح صبح حضرت چھوٹی آپا نے ہم دونوں کو بلایا اور کہا حضرت صاحب کہتے ہیں کہ مبارکہ بیگم یعنی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کل بھی پکنک پر گئی تھیں اگر تم لوگ کہو تو انہیں بھی آج لے جاتے ہیں۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ حضور نے چونکہ ہمیں یہ کہا تھا کہ جو پہلے ہو آیا ہے وہ دوبارہ نہیں جائے گا اس لئے ہم سے پوچھنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ حضور ہمیں لے کر کلر کہار اور چواسیدن شاہ گئے اور سارا دن وہاں گزار کر شام کو واپس آئے۔

❁ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ حضور تمام موقعوں پر سارے خاندان کو ساتھ لے کر چلتے تھے خواہ وہ سیر و تفریح کی تقریبات ہوں یا جماعتی مواقع۔ مجھے یاد ہے 3 اکتوبر 1949ء کو ربوہ مسجد مبارک کی بنیاد رکھی گئی۔ معلوم نہیں کس وجہ سے ابّا جان اس روز ربوہ میں موجود نہ تھے۔ نہ بھائی خورشید یہاں تھے۔ حضرت صاحب ابّا جان کو اس تاریخی موقع پر شامل کرنا چاہتے تھے۔ صرف ابّا جان کو شامل کرنے کے لئے حضرت صاحب نے مجھے بھی مسجد کی بنیاد رکھنے کی اس تقریب میں شریک کیا اور خود ہی ابّا جان کی طرف سے چندہ کی رقم بھی لکھوادی۔ یہ بھی حضرت صاحب کا ایک خاص وصف تھا کہ اپنے عزیزوں کو نیک کاموں میں شریک کرنے کی بہت خواہش حضور کو ہوتی تھی۔ اس کی ایک مثال میرے ایک بڑے بھائی مرزا مبارک احمد مرحوم کی وصیت کا معاملہ ہے۔ 1942-43ء کی بات ہے وہ بیمار تھے اور بہت بیمار تھے اور امرتسر میں ہسپتال میں سینی ٹوریم میں زیر علاج تھے۔ حضرت صاحب قادیان سے تشریف لائے۔ ان کو پوچھنے کے لئے وصیت فارم اپنے ساتھ لے کر آئے لیکن اپنی طبیعت کے باعث کہہ نہ سکے کہ وصیت فارم پر کر دو تو جاتے ہوئے امّی کو دے گئے کہ یہ وصیت فارم پر کروا کر قادیان بھیج دو۔ اس طرح عزیزوں رشتہ داروں کو شامل کرتے تھے۔

(اس موقع پر مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب نے کہا: ''اس کا اگلا حصہ یہ ہے کہ ہماری والدہ کو کہہ گئے نصیرہ بیگم! مجھے ہمت نہیں ہوئی مبارک کو یہ فارم دینے کی تم پر کر کے بھجوا دو تو بعد میں ہماری والدہ نے وہ فارم بھجوا دیا۔ حضور نے وہ فارم نظارت بہشتی مقبرہ بھجوایا۔ اس وقت حضرت مولوی سرور شاہ صاحب سیکرٹری بہشتی مقبرہ تھے تو اس پر حضرت مولوی سرور شاہ صاحب نے وہ فارم واپس کیا اور عرض کیا کہ حضور یہ مرض الموت کی وصیت ہے۔ مرض الموت کی وصیت تو قابل قبول نہیں ہے۔ ان کو پتہ تھا کہ بڑا ہی شدید بیمار ہیں۔ ٹی، بی تھی ان کو اور آخری Stage تھی۔ حضور نے اصولی طور پر ان کا یہ موقف قبول فرمایا اور اس پر کہ میں نے فارم بھیجا ہے اور آپ نے واپس کر دیا ہے، کچھ نہیں کہا۔ لیکن جب ہمارے بھائی کی وفات ہوئی تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ ان کی بہشتی مقبرہ میں تدفین کی جائے۔ خلیفۃ المسیح کو یہ اختیار ہے۔ تو حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب نے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ ہاں اب آپ کو اختیار ہے''۔)

❁ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ سلسلہ کا ایک خادم خاندان ہے، ان کے کسی فرد کے متعلق حضرت صاحب نے ایک اعلان لکھا کہ یہ الفضل میں شائع ہو جائے۔ مجھے حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بلایا اور فرمانے لگے کہ خلیفہ وقت کی طرف سے جو ڈانٹ پڑتی ہے اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ مجھے بات سمجھ نہ آئی کہ میرا اس سے کیا تعلق ہے۔ لیکن مجھے اچھی طرح سمجھا کر ساتھ ہی فرمایا کہ بعض دفعہ جو ڈانٹ کھا رہا ہوتا ہے یہ ڈانٹ اس کے لئے نہیں ہوتی کسی اور کے لئے ہوتی ہے۔ میاں صاحب کی عادت تھی کہ وہ اپنی بات بڑے اطمینان سے پوری کرتے تھے اور ان کو جلدی نہیں ہوتی تھی۔ تو میاں صاحب نے مجھے پہلے تو سمجھایا اور پھر فرمانے لگے کہ یہ خط حضرت صاحب کے پاس لے جاؤ اور تمہیں اس کے اوپر ڈانٹ پڑے گی۔ خیر میں وہ خط لے گیا، صبح کا وقت تھا۔ یہ حضور کی بیماری کے ایام کا واقعہ ہے۔ حضرت صاحب ناشتہ تھوڑا لیٹ کیا کرتے تھے۔ میں گیا تو حضرت صاحب ناشتہ کر رہے تھے۔ چھوٹی آپا تشریف رکھتیں تھیں۔ میں نے جا کر وہ خط

دے دیا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ خیر وہ جس طرح میاں صاحب نے کہا تھا مجھے سخت ڈانٹ پڑی "یہ لے جاؤ واپس"۔ میں خط واپس لے آیا۔ واپس آ کے میں میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ حضرت صاحب نے تو بڑا ڈانٹا ہے۔ میاں صاحب نے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور کہنے لگے کہ میں دوبارہ ایک خط لکھ رہا ہوں، یہ تم لے جاؤ۔ میں نے کہا میں نے نہیں لے کے جانا اور ڈانٹ پڑے گی۔ میاں صاحب نے کہا کہ نہیں نہیں یہ لے کے جانا، تمہیں تو ڈانٹ نہیں پڑی۔ مجھے ڈانٹ پڑی ہے۔ خیر میں انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر دوبارہ میں لے گیا۔ پھر دوبارہ ڈانٹ پڑی۔ پھر میں واپس آیا اور عرض کیا کہ عمو صاحب اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں جاؤں۔ لیکن میاں صاحب نے پھر مجھے اصرار کر کے بھیج دیا۔ تیسری دفعہ حضرت صاحب نے چھوٹی آپا کو فرمایا کہ جس طرح میاں بشیر کہتے ہیں اسی طرح لکھ دو۔ اصل میں یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ اس سے یہ مطلب نہیں تھا کہ حضرت صاحب کی پہلی بات غلط تھی۔ جہاں خلیفہ وقت اپنی بات بدلتا ہے وہاں اس کو پتہ ہوتا ہے کہ جو مشورہ دینے والا ہے وہ درست مشورہ دے رہا ہے۔

۞ سب سے بڑی بات جو میں نے حضرت صاحب میں محسوس کی اور میرا خیال ہے بھائی خورشید اس کی تائید کریں گے وہ یہ تھی کہ بچپن میں بھی ہمیں کبھی احساس نہ ہوا تھا کہ حضرت صاحب ہم سے اپنے بچوں پوتے پوتیوں سے سلوک میں کچھ فرق کرتے ہیں۔ یہ تو حقیقت ہے کہ طبعی طور پر بہرحال حضور کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح اپنے بچوں اور پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں سے بہت تعلق ہو گا۔ لیکن جہاں تک ظاہری سلوک کا تعلق ہے میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کو مجھ پر کوئی ترجیح حضرت صاحب نے دی ہو۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا بھی حضرت صاحب پر اسی طرح حق ہے جس طرح ان کے اپنے بچوں کا۔ یہ حضور کے مزاج کا ایک ایسا پہلو ہے جو بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ کم از کم میں نے تو کسی اور میں یہ بات نہیں دیکھی۔

(اس موقعہ پر مرزا خورشید احمد صاحب نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ:

"ایک بار میری والدہ نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میری بیٹی روحی کا قد چھوٹا ہے کوئی دوا دیں۔ حضور نے کوئی دوا تجویز فرمائی۔ پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بھی ساتھ بیٹھی تھیں۔ وہ کہنے لگیں کہ آپ کی اپنی پوتی امۃ الحئی کا قد چھوٹا ہے اُسے تو آپ نے کوئی دوا نہ دی۔ حضور اس پر امّی کو مخاطب کر کے فرمانے لگے، نصیر بیگم دیکھو مبارکہ بیگم کہتی ہیں روحی میری پوتی نہیں! روحی میری پوتی نہیں! اور اتنی بار یہ فقرہ کہا کہ حضرت پھوپھی جان شرمندہ ہو کر بار بار کہتی تھیں میرا یہ مطلب تو نہیں تھا"۔)

۞ صلہ رحمی اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں سے تعلق رکھنا اور ان سے حسن سلوک کرنا حضرت صاحب کا ایک خاص وصف تھا۔ پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بتایا کرتی تھیں کہ حضرت اماں جان کے رشتہ داروں سے حضور نے آخر تک تعلق رکھا۔ تقسیم برصغیر سے قبل دلّی کے سفروں میں اور حیدر آباد کے سفروں میں حضور خاص طور پر اماں جان کے ان رشتہ داروں سے ملتے تھے۔ اسی طرح پاکستان بننے کے بعد جب ان میں سے بہت سے لوگ کراچی آ گئے تو حضور اپنے کراچی کے سفر میں ان سے ملاقات کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت اماں جان کی ایک دور کی عزیزہ جو احمدی نہیں تھیں ربوہ آیا کرتی تھیں اور اپنے بچوں سمیت لمبا عرصہ حضور کے گھر قیام کرتی تھیں۔

۞ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے عزیزوں سے بھی حضور تعلق رکھتے تھے۔ مرزا نظام دین صاحب کا نام آپ نے سُنا ہی ہو گا۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچازاد تھے اور سخت معاند، مخالف اور دشمن تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت صاحب سے درخواست کی کہ حضور ان کے بیٹے مرزا گل محمد صاحب کا خیال رکھیں۔ یہ بات حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے علم میں آئی تو انہوں نے حضرت صاحب کو تنبیہ کے طور پر کہلا بھیجا کہ سانپ کے بچے سنپولیے ہی ہوتے ہیں اور اس طرح مرزا نظام دین کی مخالفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی اولاد کس طرح آپ کی دوست ہو سکتی ہے۔ لیکن حضرت صاحب کے حسن سلوک نے آپ کی بات کو اور اس مثل کو بھی غلط ثابت کر دیا اور مرزا گل محمد صاحب نہ صرف احمدی ہو گئے بلکہ وفات تک حضور کے فرماں بردار اور وفادار رہے۔ حضور نے ان کی شادی حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی صاحبزادی جو حضرت سیدہ اُم ناصر صاحبہ کی بہن تھیں سے کرا دی تھی۔

۞ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے ایک اور عزیز تھے۔ ان کا نام لینا مناسب نہیں یہ بھی چچا گل محمد کے مکان کے ایک حصہ میں رہتے تھے۔ آپ میں سے جس نے قادیان دیکھا ہوا اس کو پتہ چل جائے گا۔ اس وقت جس مکان میں نصرت گرلز سکول ہے اس مکان میں ان کی رہائش تھی اور ان کی رہائش گاہ اور دار المسیح کے درمیان صرف ایک چھوٹی گلی ہے۔ یہ بھی احمدی تھے اور مخلص احمدی تھے۔ حضور کے ساتھ بہت تعلق تھا اور حضور ان پر مہربان بھی بہت تھے اور حضور کی مہربانیوں نے انہیں دلیر بھی کر دیا تھا۔ ابتدائی زمانہ کی بات ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے گھر سے گندم کی بوری چکی پر پسوائی کے لئے بھجوائی گئی۔ ایک مزدور جو غیر احمدی تھا اور کہیں قریب کے کسی گاؤں کا رہائشی، آٹے کی بوری حضور کے گھر پر پہنچانے کے لئے لے کر آیا۔ گلی میں وہ عزیز بھی کھڑے تھے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ مرزا صاحب کا گھر کون سا ہے؟ انہوں نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا اور اسے ساتھ لے جا کر آٹے کی بوری اپنے گھر میں اتروا لی۔ مزدور نے جب مزدوری کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حضور کے گھر کی طرف اشارہ کیا کہ اُس گھر سے جا کر لے لو۔

حضرت صاحب رشتہ داری کے تعلق اور ان کے مالی حالات کے پیش نظر ایسی تمام باتوں کے باوجود ان سے نہایت مہربانی اور شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضور کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کی عبارت کچھ یوں تھی کہ:۔

"بحضور حضرت خلیفۃ المسیح .... گزارش ہے کہ خاکسار کی بھینس گلی میں باندھی جاتی ہے

اور اس گلی میں حضور کی موٹر گاڑی بھی آتی جاتی ہے اور حضور کی موٹر کی تعظیم کے لئے میری بھینس کو بار بار کھڑے ہونا پڑتا ہے اور وہ حاملہ ہے اور خدشہ ہے کہ اس طرح بار بار کھڑے ہونے سے اس کا حمل ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسے مقوی غذا دی جائے" اور آگے انہوں نے اس مقوی غذا کی فہرست دی اور لطف یہ کہ حضور نے بھینس کی وہ غذا ان کے ہاں بھجوا دی لیکن بے تکلفی کے ان واقعات سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ وہ حضور کے خادم اور آپ کے تابعدار نہ تھے۔

حق یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے رشتہ داروں میں سے جو احمدی ہو گئے تھے وہ نہ صرف حضور کے وفادار تھے بلکہ نظام جماعت کے بھی فرماں بردار تھے۔ چچا گل محمد کے ایک ماموں تھے مرزا ارشد بیگ ان کا نام تھا۔ ان کی شادی ماسی محمد بیگم صاحبہ کی ہمشیرہ ماسی عنایت سے ہوئی تھی۔ ایک بار جب مرزا ارشد بیگ صاحب بیمار تھے کچھ لڑکوں کی لڑائی ہوئی جس میں ان کے دو بیٹے بھی شامل تھے۔ ان کے بیٹوں اور چند اور لڑکوں کو نظام جماعت کی طرف سے بید لگانے کی سزا دی گئی۔ ان لڑکوں میں ایک معروف بزرگ کے صاحبزادے بھی شامل تھے۔ اس کی والدہ ماما ارشد بیگ سے ملنے آئیں تا کہ ان کے ساتھ مل کر سزا لینے سے انکار کیا جائے اور نظام جماعت کے فیصلہ کو نہ مانا جائے۔ جب انہوں نے ماما ارشد بیگ صاحب سے یہ بات کہی تو انہوں نے ان کو یہ جواب دیا کہ "بی بی میں اپنے منڈے کوئی ککڑی بیٹھاں تے نہیں کڈھائے کہ او دو

بید کھا کے مرجان گے''۔

دوسری طرف جب سزا دینے کا وقت آیا تو انہوں نے بچوں کو تو کچھ نہیں کہا بیماری اور کمزوری کی حالت میں خود پلنگ سے اُٹھے اور لڑکھڑاتے ہوئے باہر کے دروازے کا رُخ کیا۔ گھر والوں نے جن میں دونوں بیٹے بھی تھے ان کو روکا اور پوچھا کہ اس بیماری میں آپ کہاں جارہے ہیں تو کہنے لگے میں ایہناں منڈیا ں دی تھاں سزا لین جاریاں آں۔ یہ ایک ایسا نفسیاتی حربہ انہوں نے استعمال کیا کہ ان کے دونوں بیٹے گئے اور نظام جماعت کے فیصلہ کے مطابق کسی شکوہ شکایت کے بغیر خوشدلی کے ساتھ بیدوں کی سزا لے لی۔

❁ انہی مرزا ارشد بیگ صاحب کا واقعہ ہے۔ صرف یہ نہیں کہ نظام کے پابند تھے حضرت صاحب کے تابعدار اور فرمانبردار تھے بلکہ وہ جماعت کے مخالف لوگوں پر نظر بھی رکھتے تھے۔ ابّا جان کہتے ہیں کہ ایک جلسے پر مجھے انہوں نے اس طرح کہنی ماری کہ باہر چلیں۔ ہم باہر آئے تو کہنے لگے چلو شہر چلیں۔ کہتے ہیں ہم شہر پہنچے تو احمد یہ چوک میں عبدالرحمن صاحب مصری کھڑے تھے اور اپنی داڑھی میں کھجلی کر رہے تھے تو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ پتہ ہے کون ہے؟ تو ابّا جان نے کہا، ہاں مصری صاحب ہیں۔ تو کہنے لگے نہیں، یہ احمدی Snake ہے۔ یہ سوچ رہا ہے کہ یہاں اتنی رونق کیوں ہے۔ یہ مصری صاحب کے فتنے کے ظاہر ہونے کے چار پانچ سال پہلے کی بات ہے۔

❁ حضور کے صلہ رحمی اور حسن سلوک کے بارے میں جتنے بھی واقعات میں نے اپنے بزرگوں سے سنُے اور جن میں سے کچھ بیان کر چکا ہوں، یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور رشتہ داروں سے تعلق کسی فائدہ کے حصول کے لئے نہ رکھتے تھے بلکہ ان کا مقصد ان عزیزوں کو فائدہ پہنچانا ہوتا تھا اور خواہ مالی امداد کا معاملہ ہو یا جذباتی تعلق کی بات ہو ہر صورت حال میں حضور کا ہاتھ ہمیشہ اوپر ہی رہتا تھا۔

(اس موقعہ پر مرزا خورشید احمد صاحب نے تائید کرتے ہوئے کہا:۔

''یہ بات بالکل صحیح اور درست ہے۔ صلہ رحمی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کے سلسلے میں حضور کا ہاتھ ہمیشہ اُوپر ہی رہتا تھا اور شاید ہی کوئی عزیز ہوگا جس پر حضور کا احسان نہ ہو۔ آپ نے عام زمینداروں کو دیکھا ہوگا اُن کا اپنے رشتہ داروں سے سلوک بھی دیکھا ہوگا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ اُن کا کوئی عزیز اُن سے زمین کی ملکیت میں یا اثر ورسوخ میں آگے بڑھ جائے۔ لیکن حضور کی کیا کیفیت تھی؟ اُس کا پتہ سندھ میں اراضی کی خرید سے لگتا ہے۔ حضور نے اس یقین پر کہ یہ زمین بہت فائدہ مند ہوگی نہ صرف خود زمین لی، صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کو لے کر دی بلکہ اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کو تحریک کی اور بہت زور دیا کہ وہ بھی زمین خریدیں اور زمین کے حصول کے سلسلے میں تمام عزیزوں کی مدد بھی کی''۔)

❁ حضرت صاحب کی طبیعت کا ایک اور پہلو جس کا احساس مجھے بچپن ہی میں ہوا وہ یہ تھا کہ اپنے تمام تر جلال اور رعب اور خداداد وقار کے باوصف حضور کی طبیعت میں ایک ایسا جذب تھا جو بھی حضور کو دیکھ لیتا وہ حضور کی طرف کھنچا چلا جاتا۔ آپ کے رُعب کی یہ کیفیت تھی کہ اگر آپ پوری آنکھ اُٹھا کر دیکھتے تو آدمی گھبرا جاتا تھا۔ لیکن اس رُعب کے ساتھ ساتھ ایک عجیب طور پر کشش تھی جو آپ کو دیکھنے والے کو اپنے حسن کا اسیر کر لیتی تھی۔

❁ چھوٹے بچوں کے ساتھ آپ کا رویہ نہایت شفقت اور پیار اور محبت والا ہوتا تھا۔ میری دو چھوٹی بہنوں کے نام دردانہ اور فرزانہ ہیں۔ ان سے چھوٹی کا نام حضور نے نزہت رکھا تھا لیکن اسے چھیڑنے کے لئے بڑی بہنوں کے ناموں کے وزن پر اسے ایک آنہ کہا کرتے تھے۔ اس قسم کی چھیڑ چھاڑ خاندان کے سب بچوں سے جاری رہتی۔ میری بہن دردانہ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

دخت عزیز مرزا کو دردانہ کر دیا
اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

❁ بچوں سے خوش طبعی اور مذاق کی بات آپ نے سنی۔ اب ایک بڑوں سے مذاق کی بات سُن لیں۔ ابّا جان عام طور پر پلاؤ اور زردہ ملا کر کھاتے تھے اور اس طرح نمکین اور میٹھا ملا کر کھانا حضرت صاحب کو پسند نہ تھا۔ اس بات کو مذاق کے رنگ میں بیان کرتے ہوئے حضور فرمایا کرتے تھے کہ میاں عزیز احمد کا کیا ہے یہ تو ساگ اور فرنی ملا کر کھاتے ہیں۔

❁ حضور جہاں بڑوں اور چھوٹوں سے مذاق کرتے وہاں ان کی تربیت کا بھی ہر وقت خیال رکھتے تھے۔ حضرت مرزا وسیم احمد صاحب کی دعوت ولیمہ کی بات ہے۔ یہ دعوت پرائیویٹ سیکرٹری کے پرانے دفتر کے صحن میں ہوئی تھی۔ فرش پر دریاں بچھا کر دستر خوان بچھائے گئے تھے اور مہمان بھی اور حضرت صاحب بھی زمین پر ہی بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ اتفاق سے میں حضور کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ اگرچہ درمیان میں فاصلہ کافی تھا حضور صحن کے ایک کونے پر دفتر کے برآمدے کے ساتھ تشریف فرما تھے اور میں بالکل آخر پر گیٹ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کچھ عرصہ قبل جماعت کا ایک قافلہ جلسہ سالانہ قادیان سے واپس آیا تھا ان دنوں ہندوستان میں لٹھا اچھی قسم کا ملتا تھا جو پاکستان میں میسر نہ تھا۔ جماعت کے ایک معروف بزرگ قادیان سے واپسی پر کچھ زیادہ ہی لٹھے کے تھان اپنے ساتھ لائے۔ یہ بات قافلے کے لوگوں کی زبانی ربوہ میں پھیل گئی اور ہوتے ہوتے حضور تک بھی پہنچ گئی۔ وہ بزرگ بھی اس دعوت میں موجود تھے۔ حضور نے مجھے دیکھا اور اونچی آواز سے فرمایا احمد! تم بھی قادیان چلے جاتے تو کچھ لٹھے کے تھان بھی لے آتے۔ اس طرح بغیر نام لئے حضور نے ان بزرگ کو اصلاح کی طرف توجہ دلا دی۔

❁ آپ کو پتہ ہو گا کہ 1960ء کے بعد حضرت صاحب بیماری کی وجہ سے جلسے پر تشریف نہیں لا سکے تھے۔ حضور لمبا عرصہ بیمار رہے۔ ساٹھ یا اکسٹھ کے بعد بیماری میں خاندان کے سارے لڑکے جو تھے وہ ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں بھی ان میں شامل تھا۔ ان بیماری کے ایّام میں حضرت صاحب بستر پر ہوتے تھے۔ نظارت امور عامہ کے کارکن مکرم مولوی عبدالعزیز صاحب بھامبھڑی اکثر رات کو رپورٹ پیش کرنے کے لئے آتے تھے۔ اس وقت بھی حضرت صاحب رپورٹ لیتے تھے۔ پہلے تو جب وہ آتے تھے تو حضرت صاحب جب تک خود اُٹھ سکتے تھے، جاتے تھے۔ لیکن جب بستر پر آ گئے تو وہ پھر لکھی ہوئی رپورٹ دیتے تھے تو میں جا کر چھوٹی آپا یا مہر آپا کو جس کی بھی باری ہوتی، دے دیتا تھا اور وہ سُناتی تھیں اور اسی طرح دِن کے وقت بھی سلسلے کے جو کارکن تھے، وہ آتے اور حضور کی ہدایات لیتے تھے۔ ملاقاتیں بھی اسی طرح ہوتی تھیں۔ جلسہ پر بھی ملاقات ہوتی تھی۔ حضرت صاحب لیٹے ہوتے تھے اور لوگ پاس سے گزرتے رہتے تھے۔ جس کو حضرت صاحب روکنا چاہتے روک کے باتیں کر لیتے تھے۔

❁ 8 نومبر 1965ء شام کو چھ، سات بجے جو آخری بات مجھے یاد ہے، میں ڈیوٹی پر تھا اور حضرت صاحب کے سرہانے کی طرف کھڑا تھا۔ حضرت صاحب نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور تھوڑی دیر دیکھتے رہے اور پھر فرمانے لگے کہ میاں عزیز احمد کے بیٹے ہو۔ تو میں نے کہا جی اور پھر فرمایا کہ ہم قادیان میں ڈھاب میں کشتی چلایا کرتے تھے۔ اسی رات دو بجے حضور انتقال فرما گئے۔ اور خاندان کے افراد کے علاوہ جو ڈاکٹرز تھے وہ بھی وہاں تھے۔ ان میں ایک ڈاکٹر ذکی الحسن بھی تھے جو غیر از جماعت تھے اور کراچی سے ان کو حضرت صاحب کے علاج کے لئے بلایا گیا تھا اور وہ کئی دن سے قیام پذیر تھے۔ اس وقت جب حضرت صاحب کی وفات ہوئی تو خاندان کی کسی لڑکی یا عورت کے رونے کی آواز ذرا اُونچی نکلی۔ اس پر حضرت پھوپھی جان نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے بڑی زوردار آواز میں کہا کہ یہ صبر اور رضا اور دُعاؤں کا وقت ہے۔ یہ بات ڈاکٹر ذکی الحسن صاحب نے بھی سُنی۔ اس کے کوئی پندرہ سال بعد 1980ء کی بات ہے کہ میری ایک دفعہ کراچی میں ان سے ملاقات ہوئی۔ یہ بات ان کو اس وقت بھی یاد تھی اور انہوں نے کہا کہ میں حیرت زدہ رہ گیا، میں حیران رہ گیا تھا کہ ایک اتنا بڑا آدمی فوت ہوتا ہے اور اس وقت میں نے کسی کی رونے کی آواز نہیں سُنی اور کوئی صبر کے خلاف بات نہیں دیکھی اور ذرا سی اگر آواز نکلی تو ان کی ہمشیرہ نے اتنی زوردار آواز میں یہ توجہ دلائی کہ یہ صبر اور رضا اور دعاؤں کا وقت ہے۔

یہ تربیت تھی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خاندان کی بھی فرمائی تھی اور یہ ہی تربیت تھی جو جماعت کی فرمائی تھی۔ ورنہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ حضرت صاحب 52 سال خلیفہ رہے اور جماعت کے افراد حضرت صاحب کے علاوہ کوئی اور خلیفہ دیکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے لیکن اس کے باوجود خاندان کے لوگ اور جماعت کے احباب بھی صبر کے ساتھ راضی بہ رضا ہی رہے۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۲۵ فروری ۲۰۱۱)

❁❁❁

یادیں پیارے مصلح موعودؓ کی

اور ٹرین رُک گئی...

منور احمد خالد۔ جرمنی

میری پیدائش 1936 کی ہے۔ اسطرح تقریباً 30 سال حضرت مصلح موعودؓ کا دور نصیب ہوا۔ میرے دادا اور والد دونوں صحابیؓ تھے۔ بیسویں صدی کے شروع میں جب انگریزوں نے سندھ کو آباد کرنے کی سکیم رائج کی تو میرے والد اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں اور اپنے والد صاحب کو ساتھ لے کر سندھ آ گئے۔ جہاں بعد میں سندھ کی پہلی باقاعدہ جماعت کوٹ احمدیاں آباد کی۔

حضرت مصلح موعودؓ نے جب سندھ میں زمینیں خریدنے کا پروگرام بنایا تو میرے والد حضرت چوہدری غلام صاحبؓ کو اس سلسلے میں خدمت کا موقعہ ملا۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید صدر انجمن اور خاندان کے لئے زمینیں خرید کی گئیں۔ اس پر دیگر احمدیوں کو بھی زمینیں خریدنے کا موقع ملا۔ چنانچہ قادیان سے ان کو ہدایت دی جاتی تھی کہ کوٹ احمدیاں چلے جاو وہاں سے مزید رہنمائی اور معلومات مل جائے گی۔ اسطرح اس زمانہ میں پنجاب سے سندھ آنے والوں کے لئے کوٹ احمدیاں لازمی پڑاؤ بن گیا جہاں ان کی مہمان نوازی اور رہنمائی کی جاتی۔

۱۹۳۶ء میں حضرت مصلح موعودؓ جب پہلی بار سندھ تشریف لائے تو ازراہ شفقت اپنے خادم کی خادمانہ کوششوں کو نوازنے کیلئے کوٹ احمدیاں بھی تشریف لائے۔ اور خوش قسمتی سے انہی دنوں میری پیدائش ہوئی۔ خاکسار کے والد نے حضرت مصلح موعودؓ، حضرت اماں جانؓ، حضرت امِ طاہرؓ کی پہلی دفعہ ایک نئی جگہ ناصر آباد میں خدمت کے لئے اپنی دونوں بیٹیوں خاکسار کی دو بڑی بہنوں حمیدہ اور رضیہ کو حضور انور کے ساتھ کر دیا اور حضور کو انکی خدمت اس قدر پسند آئی کے ہر دورہ سندھ کی اطلاع میرے والد صاحب کو فرماتے اور بچیوں کو بھجوانے کی ہدایت بھی۔ حضور کا مقصد ازراہ احسان ان بچیوں کی تربیت بھی تھا اور یہی ہمارے والد صاحب کی بھی خواہش تھی۔ اسطرح ہماری ان دونوں بہنوں کی بی بی امتہ الجمیل صاحبہ کے ساتھ دوستی بھی ہو گئی اور یہ تعلق آخر تک قائم رکھا۔

۱۹۴۱ء میں حضرت والد صاحبؓ کی وفات کے بعد ہمارے بڑے بھائی مکرم چوہدری عبد الرحمن مربی نے اس روایت کو جاری رکھا اور دونوں بہنیں دورہ کے موقعہ پر ناصر آباد بھجوادی جاتیں اور ان کی وجہ سے جب ہم جمعہ کی نماز کے لئے ناصر آباد جاتے تو مجھے اندرون خانہ جانے کی اجازت ہوتی اور تبرک سے بھی خوب حصہ ملتا۔

مجھے یاد ہے ایک بار جب میری عمر 6 سال کی تھی اور جمعہ کے لئے ناصر آباد گئے تو میرے بڑے بھائی نے چاندی کا ایک روپیہ دیا کہ ملاقات کے موقعہ پر نذرانہ پیش کروں جب حضور سے ملاقات کا وقت آیا تو لطیفہ یہ ہوا کہ میں نے وہ روپیہ بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ سے مصافحہ کر لیا اور فوراً ہی مجھے احساس ہوا کہ نذرانہ تو میں نے پیش ہی نہیں کیا چنانچہ وہ روپیہ دائیں ہاتھ میں پکڑ کر عرض کیا حضور پیسہ لے لیں۔ حضور مسکرائے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور روپیہ لے لیا۔

حضور دورہ ختم ہونے کی اطلاع کوٹ احمدیاں بھجوا دیتے تھے تاکہ ہم اپنی بہنوں کو جا کر لے آویں۔ ایک بار یہ اطلاع نہ دی جا سکی تو حضور نے بالکل پسند نہ فرمایا کہ کسی اور کے ساتھ ہماری بہنوں کو کوٹ احمدیاں بھجوایا جائے بلکہ اطلاع بھجوائی کہ ہم بشیر آباد جا رہے ہیں وہاں سے ان لڑکیوں کو لے لیا جائے۔

اسطرح بچپن سے ہر دورہ پر حضور سے ملاقات ہوتی رہی ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن گیا تو پہلے ۱۹۴۸ء میں برادرم نذیر احمد ساجد کا تعلیم الاسلام ہائی سکول میں جو اس وقت چنیوٹ میں تھا داخلہ کرایا گیا۔ پھر ۱۹۵۰ء میں مجھے بھی چنیوٹ بھجوایا گیا۔ اسطرح ایک نئی زندگی شروع ہوئی کبھی پیدل، کبھی سائیکل پر اور کبھی بس پر ربوہ جا کر حضور کے درس ہائے قرآن کریم سننے کا موقعہ ملتا رہا اور جمعہ کی نماز تو بہرحال ربوہ جا کر ادا کی جاتی۔ پھر ہمارا اسکول ربوہ میں ہی آ گیا اسطرح اس روحانی فیض اور مائدہ کا مزہ آج تک بھولتا نہیں۔ جلسہ سالانہ کی تو بات ہی کیا تھی۔ سیر روحانی کا سلسلہء تقاریر روح میں وجدان پیدا کر دیتا۔ درس ہائے قرآن کریم جیسا علمی خزانہ حضرت مصلح موعودؓ کے منہ سے براہ راست سننے کی سعادت آج بھی میری زندگی کا ماحصل ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ سلطان القلم تھے تو آپ کے مثیلؓ سلطان البیان تھے۔

بورڈنگ ہاؤس میں رہنے والے طلباء کو یہ سعادت بھی حاصل تھی کہ وہ اپنے استادوں کی نگرانی میں تنظیم کے ساتھ ہر ڈیوٹی میں شامل ہوتے تھے۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات میں قصرِ خلافت کے اندرونی دروازہ پر پہرے کی ڈیوٹی ہوتی ہمارے ایک کلاس فیلو مختار بھی تھے۔ جن کی والدہ بطور خادمہ اندر کا کام کرتی تھیں۔ تمام رات پہرہ کی ڈیوٹی کے بعد صبح مختار کو کہا جاتا کہ تبرک لانے کا انتظام کرو تو وہ اپنی والدہ کو بلا کر مکھن پیڑہ جس میں سے حضور نے ناشتہ میں کچھ لیا ہوا ہوتا وہ لے آتے چنانچہ لڑکپن کی عمر میں یہ سونے پر سہاگہ تھا۔ حضور پر جب مسجد مبارک میں قاتلانہ حملہ ہوا اس وقت بھی یہ عاجز مسجد میں موجود تھا اور پھر حضور کا دعا کے لئے دردناک پیغام جماعت کے نام آیا تو نیندیں حرام ہو گئیں تھیں اور شفایابی کے لئے چیخیں نکل نکل جایا کرتیں اور پھر ''فضل عمر'' کی تشریح بھی سمجھ آئی کہ حضرت عمرؓ پر مسجد میں ہی حملہ ہوا تھا تو آپ شہید ہو گئے تھے مگر حضرت مصلح موعودؓ کو اللہ تعالیٰ نہ صرف بچایا بلکہ اس کے بعد بھی ایک لمبی زندگی عطا فرمائی اور بیماری کے باوجود اس وجود کی برکتوں کو جاری رکھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے مجھے سخت بخار ہو گیا۔ اتنا تیز کہ تھرمامیٹر کی حدیں پار کر گیا۔ ہمارے ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ٹیوٹر گھبرا گئے کہ لڑکا گیا ہاتھ سے۔ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ جو ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب تھے ان کو اطلاع دی گئی تو اُنہوں نے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کر دیا حضور نے پوچھا لڑکا کہاں کا ہے بتایا گیا سندھ کا ہے حضور نے فرمایا میں دعا کروں گا اور لڑکا سندھ کا ہے تو فکر نہ کریں وہاں ملیریا بعض اوقات اتنا تیز ہو جایا کرتا ہے اور پھر یہ دعا تو میرے لئے ایک معجزہ بن گئی ساری عمر سندھ کے مچھروں میں گزاری اس دعا کو آج ساٹھ سال ہو رہے ہیں اور مجھے اس کے بعد کبھی ملیریا نہیں ہوا۔ حضرت مصلح موعودؓ کی وفات کے وقت خاکسار کوٹ احمدیاں میں تھا بظاہر ناممکن تھا کہ حضور کے چہرے کا دیدار ہو سکے۔ حیدرآباد پہنچنے تک چناب ایکسپریس نکل گئی تو لاہور جانے والی خیبر میل پر سوار ہو گئے۔ میرے ساتھ اس گاڑی میں اور بھی بہت سے احمدی تھے اور لاہور جا کر ربوہ جانا بہت وقت لگتا۔ میں نے سوچا کہ اگر ٹرین کسی وجہ سے چیچہ وطنی میں رُک جائے تو وہاں سے بس کے ذریعہ ربوہ جانا کم وقت لے گا اور پھر میں نے شدت سے دعا شروع کر دی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا اور ٹرین نہ صرف چیچہ وطنی کے اسٹیشن پر بلکہ آگے outer signal پر جا کر ایک لمحہ کیلئے رُک گئی یہ وہ جگہ تھی جہاں سے بورے والا کی طرف سے آنے والی سڑک مین روڈ کو کراس کرتی ہوئی سیدھی فیصل آباد جاتی ہے۔ اسطرح اڈہ بس جا کر بس لینے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے آدھا گھنٹہ اور بچا دیا ٹرین رُکتے ہی خاکسار نے نیچے چھلانگ لگا دی اور ساتھیوں کو بھی مشورہ دیا کہ اُتر جائیں مگر اِن کو فیصلہ کرنے میں ذرا دیر ہوئی اور گاڑی چل دی اُترتے ہی بس مل گئی اور خاکسار اِن ساتھیوں سے پانچ گھنٹے پہلے ربوہ پہنچ گیا۔ حضور کے پیارے چہرے کا دیدار بھی ہوا اور جنازہ میں شرکت بھی نصیب ہو گئی اور پہلے ہی روز خلافتِ ثالثہ کی بیعت بھی نصیب ہوئی جبکہ نہ اُترنے والے میرے ہمسفر صرف جنازہ میں شریک ہو سکے۔ ناشکری ہو گی اگر اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر نہ کیا جائے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی وفات کے وقت بھی خاکسار کوٹ احمدیاں میں تھا سات سو میل دور بطور قائد علاقہ دورہ پر تھا۔ میرے ساتھ ٹورنامنٹ کو منعقد کرنے کیلئے مکرم چوہدری غلام احمد صاحب مرحوم کے

(باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

پیشگوئی مصلح موعودؓ

سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 20 فروری 1886ء کو ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں ''مصلح موعود'' کے بارہ میں ایک عظیم الشان پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''بالہام اللہ تعالیٰ واعلامہ عزوجل خدائے رحیم وکریم بزرگ و برتر نے جو ہر چیز پر قادر ہے (جل شانہ وعزاسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بہ پایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔

سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے، تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ وَمَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔''

(مجموعہ اشتہارات۔ جلد اوّل، صفحہ 100-101)

EDITOR
MUNEER AHMAD KHADIM
Tel. Fax : (0091) 1872-224757
Tel : 0091 99153 79255
Tel. : (0091) 94640-66686
Website : akhbarbadrqadian.in
: www.alislam.org/badr
badrqadian@rediffmail.com

Registered with the registrar of the newspapers for India at No. RN 61/57

ہفت روزہ بدر قادیان

Weekly BADR Qadian

Qadian - 143516 Distt. Gurdaspur (Pb.) INDIA

Vol. 62 **Thursday** **7-14 February 2013** **Issue No. 6-7**

SUBSCRIPTION
ANNUAL: Rs. 500
By Air : 45 Pounds or 70 U.S $
: 50 Euro
70 Canadian Dollars

منیر احمد حافظ آبادی ایم اے، پرنٹر و پبلشر نے فضل عمر پرنٹنگ پریس قادیان میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔ پروپرائیٹر:۔نگران بدر بورڈ قادیان